مجلس ادارت

معارف کا زر تعاون

ہندوستان میں سالانہ ۱۲۰ روپے فی شمارہ ۱۲ روپے

پاکستان میں سالانہ ۳۰۰ روپے

دیگر ممالک میں سالانہ ہوائی ڈاک پچیس پونڈ یا چالیس ڈالر

بحری ڈاک نو پونڈ یا چودہ ڈالر

پاکستان میں ترسیل زر کا پتہ: حافظ محمد یحییٰ، شیر ستان بلڈنگ
بالمقابل ایس ایم کالج اسٹریچن روڈ، کراچی۔

☆ سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

☆ رسالہ ہر ماہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہوتا ہے، اگر کسی مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک رسالہ نہ پہنچے تو اس کی اطلاع ماہ کے تیسرے ہفتہ کے اندر دفتر میں ضرور پہونچ جانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنا ممکن نہ ہوگا۔

☆ خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔

☆ معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔

☆ کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

پرنٹر، پبلیشر، ایڈیٹر۔ ضیاء الدین اصلاحی نے معارف پریس میں چھپوا کر دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڈھ سے شائع کیا۔

جلد ۱۷۱ ماہ ربیع الثانی ۱۴۲۴ھ مطابق ماہ جون ۲۰۰۳ء عدد ۶

فہرست مضامین

مقالات

معارف کی ڈاک

ادبیات

شذرات

مرکز میں قومی جمہوری اتحاد کی حکومت کے قیام کے کچھ عرصے بعد سے اسلامک کونسل آف انڈیا اور اس کے چیرمین قاری میاں محمد مظہری کا نام اخباروں میں آرہا ہے، کونسل کے زیر اہتمام ۳؍۴؍مئی کو کانسٹی ٹیوشن کلب دہلی میں مدارس اسلامیہ کا اجلاس منعقد ہوا، اس کا افتتاح اقلیتی کمیشن کے چیرمین ترلوچن سنگھ نے کیا، ان کے اور قاری میاں مظہری کے علاوہ اجلاس سے خطاب کرنے والوں میں شیخ ابوبکر قادری کرالا، قومی کونسل برائے فروغ اردو کے ڈائرکٹر حمید اللہ بھٹ، جین ٹی وی کے چیرمین اور دارالعلوم فیض الرسول کے سربراہ مولانا غلام عبدالقادر علوی کے نام اخباروں میں چھپے ہیں، اجلاس میں مدارس کے تین سو سربراہ شریک تھے، ان کا دائرہ غالباً صرف ریاست دہلی تک محدود تھا۔ مقررین کا انتخاب ان کی سرکاری حیثیتوں یا کسی خاص طبقۂ فکر سے ان کے تعلق کی بنا پر کیا گیا تھا، منتظمین کی خوش نصیبی سے ان کو صدر جمہوریہ اور وزیر اعظم کے پیغام بھی موصول ہوئے تھے۔

اجلاس کا موضوع تعلیم کی جدید کاری تھا، صدر محترم سے لے کر ہر مقرر نے اس پر زور دیا کہ مدارس اسلامیہ کو جدید تعلیم سے جوڑنا اور ان کے طلبہ کو سائنس اور کمپیوٹر کی تعلیم دینا وقت کا اہم تقاضا اور بہت ضروری ہے، علما و مشائخ نے فرمایا کہ جدید تکنالوجی کی تعلیم اسلام میں ممنوع یا حرام نہیں بلکہ لازمی ہے، اس نے ہر عہد کے علم سے ہم آہنگی پیدا کرنے کی تاکید کی ہے، کونسل اور اس کے اجلاس کی سرکاری یا نیم سرکاری حیثیت کے باوجود مقررین اور خود قاری صاحب نے مدارس کے تعلق سے حکومت کے رویے کو ہدف تنقید بنایا، اسلام کو دہشت گردی سے جوڑ کر مدارس اسلامیہ کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کرنے کی مذمت کی گئی اور واضح کیا گیا کہ زیور علم سے آراستہ کرنے کی جو ذمہ داری مرکزی و ریاستی حکومتوں کی تھی اس کو مسلمان اپنے بل بوتے پر مدارس قایم کر کے خود ادا کر رہے ہیں، اور حکومت کے تعلیمی بجٹ کا ۲۵ فیصدی حصہ اپنی جیب سے خرچ کرتے ہیں جس کے لیے حکومت کو ان کا ممنون ہونا چاہیے، مگر صورت حال اس کے برعکس ہے، یہی نہیں مسلمان کسی سرکاری امداد کے بغیر گرلز کالج یا ہائر سکنڈری اسکول، پروفیشنل ٹیکنکل اور ووکیشنل ٹریننگ سینٹر چلا کر جہاں مدرسہ سے ایک بہتر عالم دین پیدا کر رہے ہیں وہیں یہ مدارس عصری علوم پر دست رس رکھنے والے مایہ ناز افراد ہزاروں کی تعداد میں

ملک و قوم کی خدمت کے لیے پیش کر رہے ہیں۔

اس کی شکایت کی گئی کہ مدارس اسلامیہ کو کمپیوٹر ایجوکیشن یا انگریزی، ہندی، سائنس، اور انفارمیشن ٹکنالوجی سے جوڑنے کی جو بھی اسکیمیں حکومت نے بنائی ہیں، وہ برسوں بعد بھی مدارس تک نہیں پہنچتیں اور جن ریاستی حکومتوں نے ان کے نفاذ میں دلچسپی کا مظاہرہ کیا وہاں ان کو مدارس کا پورا تعاون ملا، تقریروں کا لب لباب یہ تھا کہ ہم اپنے مذہبی تشخص کے ساتھ تمام جدید کاریوں کو مدارس سے جوڑنے کے لیے تیار رہیں جن کے ذریعہ لاکھوں طلبہ اس امتیازی شان کے ساتھ حصول علم کی تکمیل کرسکیں کہ ان کے ایک ہاتھ میں دین و مذہب کا مقدس پرچم ہو تو دوسرے ہاتھ میں دنیا کے تمام علوم و فنون کی نعمتیں۔ اجلاس کی یہ قرارداد بھی قابل ذکر ہے کہ مدارس کو قومی تحریک سے جوڑنے کے لیے مدرسہ ایجوکیشن ڈولپمنٹ کونسل کی تشکیل ہو جس میں قدیم و جدید علوم کے ماہرین شامل ہوں اور وہ حکومت ہند اور مدارس کے درمیان ایک پل کا کام انجام دے اور تخریبی مباحث کو تعمیری رخ دے دے، وزیر اعظم سے دردمندانہ اپیل کی گئی کہ وہ مدارس کے بنیادی مسایل کو براہ راست سمجھنے کے لیے اجلاس کے نمایندوں سے گفتگو فرمائیں اور مدارس کے متعلق غلط فہمیاں دور کریں اور ان کو ماڈرن ایجوکیشن سے جوڑنے کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انہیں اپنے اعتماد میں لیں، اگر حکومت کا رخ تعمیری اور مثبت رہا تو اس کو مدارس کا پورا تعاون حاصل ہوگا۔

یہاں وزیر اعظم کے بیان کا ذکر بھی ضروری ہے وہ مدارس کے طلبہ کے لیے انگریزی، ہندی، سائنس اور جدید تعلیم کو ضروری بتاتے ہوئے اسکا اعلان بھی کرتے ہیں کہ ان کی حکومت اقلیتوں کی تعلیمی، معاشی و سماجی ترقی کے لیے تمام ضروری اقدامات کرے گی، اسی موضوع پر ہونے والے ایک اور قومی اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے انہوں نے اس سے زیادہ واضح اور صریح لفظوں میں اقلیتوں پر اپنے رحم و کرم کی بارش کی، وزیر اعظم جس طرح اقلیت نواز بیان دینے کے ماہر اور عادی ہیں، اسی طرح اس سے بالکل مختلف بیان دینے کے مشاق بھی ہیں، ان کے حسن بیان کا جادو عام لوگوں اور ان کی پارٹی پر تو خوب چل جاتا ہے، وزیر اعظم کی کابینہ کے واحد اور اکلوتے مسلمان وزیر کہتے ہیں ”واجپئی کی پانچ برسوں کی حکومت کے دوران مدارس اور اردو سمیت اقلیتوں کی بہبود کے لیے جتنے کام کیے گیے وہ گزشتہ پچاس برسوں میں نہیں ہوسکے تھے“ یا اسلامک کونسل آف انڈیا کے چیرمین کو مدارس کی ترقی کے

لیے ان سے بڑی توقعات وابستہ ہیں اور وہ خوش فہمی میں مبتلا ہوکر ان سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں۔ لیکن بزم میں تماشائی ہی نہیں اہل نظر بھی ہیں جنکے سامنے ان کا وہ روپ بھی آجاتا ہے جب وہ سیکولر ہندوستان کے نہیں ایک مخصوص پارٹی اور جارح ہندو تنظیموں کے وزیراعظم معلوم ہونے لگتے ہیں، ان کی اقلیت اور اردو نوازی کا بھرم کھولنے کے لیے دونوں کی موجودہ پامالی اور خستہ حالی خود ہی کافی ہے۔

خود مدارس جن کے شاندار کارناموں کا قاری میاں مظہری اتنے شدومد سے آوازہ بلند کرتے ہیں ان کے پیچھے بی جے پی اور اس کا ہم نوا سنگھ پریوار ہاتھ دھوکر پڑا ہوا ہے اور انہیں "جہادیوں" دہشت گردوں اور آئی ایس آئی کا اڈا سمجھتا ہے اور ان پر کیسریا رنگ چڑھانا چاہتا ہے مگر وزیراعظم کی زبان بھی نہیں کھلتی، ان سے مدارس کے لیے فریاد کرنا اور اقلیتوں کی تعلیمی، معاشی اور سماجی ترقی کی امید کرنا میاں مظہری جیسے لوگوں کی خودفریبی ہے، وزیراعظم اور ان کی حکومت ایس۔ آئی۔ ایم پر تو پوٹا لگا سکتی ہے مگر آر ایس ایس اور وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کی سرگرمیوں سے اس لیے چشم پوشی کررہی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف نفرت پھیلا کر انتخابات میں بی جے پی کی کامیابی کی راہ ہموار کررہی ہیں، بابری مسجد کے متعلق وزیراعظم کا رویہ کبھی حقیقت پسندانہ اور غیر جانب دارانہ نہیں رہا، اس کے انہدام میں ان کی حکومت کے جو وزرا ملوث تھے، ان کی صفائی اور بے گناہی میں شرمناک بیان دے کر مسٹر واجپئی نے سب کو محو حیرت کردیا تھا، ابھی ۱۲ رمئی کو لبرہن کمیشن کے سامنے گواہی دیتے ہوئے حکومت کے وکیل نے یہ گل افشانی کی ہے کہ "گرایا گیا ڈھانچا شری رام چندر جی کی جنم بھومی ہے، اس پر کوئی تنازعہ نہیں، تنازعہ صرف اس پر ہے کہ وہاں مقامی فوجی سربراہ میر باقی کے ذریعہ ۱۵۲۸ء میں بابری مسجد کی تعمیر سے پہلے کوئی مندر موجود تھا یا نہیں" عربوں کی زمین پر ناجائز قبضہ کرنے والے غاصب اسرائیل کی حمایت کرنے والوں کو جو لوگ اقلیت نواز سمجھتے ہیں خود ان کے بارے میں شک وشبہہ کرنا بے جا نہیں، پانچ برس تک چپ سادھے رہتے ہیں، الکشن آتے ہی اس قسم کا اجلاس کرکے جو کچھ وہ کرنا چاہتے ہیں اسے سمجھنا مشکل نہیں۔

مدارس کا اصل کردار اور مذہبی تشخص برقرار رکھتے ہوئے ان میں جدید علوم وفنون پڑھانے پر کسی کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے، البتہ مدارس کے مقاصد ومصالح اور مجبوریوں کو بھی سمجھنا چاہیے، اللہ تعالی مسلمانوں کو اخلاص سے کام کرنے، نفع وضرر میں تمیز کرنے اور قومی وملی مفاد کو ہر چیز پر مقدم رکھنے کی توفیق دے۔

مقالات

دارا شکوہ اور اس کا مخلوط مذہب

از: ضیاء الدین اصلاحی

دارا شکوہ شاہجہاں کا سب سے بڑا بیٹا تھا، یہ کئی بیٹیوں اور بڑی دعاؤں کے بعد پیدا ہوا تھا، شاہجہاں نے خواجہ معین الدین چشتی کی درگاہ میں جاکر دعا کی اور منت مانی تھی، جس کے کچھ عرصہ بعد ۳۰ رمارچ ۱۶۱۵ء کو دارا شکوہ کی پیدائش اجمیر میں ہوئی۔ اس کی وجہ سے وہ باپ کو بہت محبوب تھا اور اس نے اسے اپنا ولی عہد بنایا، شاہجہاں دوسرے شہزادوں پر اسے علانیہ ترجیح دیتا تھا، اور "شاہ بلند اقبال" کے خطاب سے موسوم کرتا تھا، دارا شکوہ کے مناصب بھی اپنے بھائیوں سے بدرجہا بلند تھے، شاہجہاں، اسے اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیتا اور دور دراز صوبوں میں بھیجنے کے بجائے زیادہ تر اپنے ساتھ دارالسلطنت میں ہی رکھتا تھا۔

مورخین کا بیان ہے کہ والدین کے اسی لاڈ پیار اور درباریوں کی خوشامد اور جھوٹی تعریف نے اسے ضدی، خودسر، خودرائے اور ستائش پسند بنا دیا تھا، اسے اپنی عقل وفہم اور فراست وتدبر پر بڑا ناز تھا، اپنے کو تمام ملک میں سب سے زیادہ صائب الرائے، ہوش مند، وسیع المشرب اور صاحب اقتدار سمجھتا تھا، عجب وپندار کی وجہ سے کسی کی صلاح ومشورہ قبول نہیں کرتا تھا، بڑے بڑے امرا کو خاطر میں نہ لاتا تھا، وہ اس کی تندخوئی اور بدمزاجی سے نالاں تھے، لوگوں سے تحقیر واہانت کا معاملہ کرتا تھا۔

باپ کے تقرب اور فوجی مہمات میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے دارا عملی نظم ونسق کا سلیقہ و تجربہ نہ حاصل کرسکا، لیکن دارالحکومت میں رہنے کی وجہ سے وہ علم وفن کا دلدادہ، نہایت لائق و فائق، باکمال مصنف اور ممتاز شاعر وخطاط ہوگیا تھا بلکہ اگر علمی حیثیت سے اسے تمام تیموری شاہزادوں کا گل سرسبد کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

شروع ہی سے تصوف کی جانب داراشکوہ کا خاص میلان ہوگیا تھا، وہ بچپن میں بیمار رہا کرتا تھا، اطبا کے علاج سے صحت یاب نہ ہوا تو بادشاہ اس زمانے کے سلسلۂ قادریہ کے ایک ممتاز صوفی شیخ میاں میر کے پاس دم کرانے کے لئے لائے، انہوں نے پانی کا ایک پیالہ دم کرکے داراشکوہ کو پلایا، اس کا بیان ہے کہ اسی ہفتے میں بھلا چنگا ہوگیا، اس کے بعد سے وہ ان کا بڑا گرویدہ اور ان کی کرامت اور بزرگی کا قائل ہوگیا، ان کی قیام گاہ میں برہنہ پا داخل ہوتا اور جو لونگ چبا کر وہ پھینک دیتے، انہیں اٹھا کر کھا جاتا، ان کے قدموں پر سر رکھ دیتا اور وہ بڑی شفقت سے اپنا دست مبارک اس کے سر پر پھیرتے تھے۔

داراشکوہ نے میاں میر سے بیعت ہونا چاہا مگر ۱۶۳۹ء میں وفات پاگئے، اس لیے ان کے خلیفہ شاہ محمد معروف بہ ملا شاہ قادری سے بیعت ہوا، تصوف میں ملا شاہ کا طریقہ وحدت الوجود کا تھا اور وہ دوسرے مذاہب کے لوگوں سے ملنے سے احتراز نہیں کرتے تھے، اور ان پر اپنا اثر بھی ڈالتے تھے، ایک کایستھ جو ولی رام کے نام سے مشہور ہوا، پہلے مغلیہ حکومت میں امیر تھا، داراشکوہ اور ملا شاہ کے فیضِ صحبت سے اسے عشق الٰہی دامنگیر ہوا اور وہ سب جاہ و مال ترک کرکے ملا شاہ کا دست گرفتہ ہوگیا، اس کی اور اس کے مرشد ملا شاہ کی شاعری وحدت الوجودی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھی، ملا صاحب کی وارستہ مزاجی کا یہ حال تھا کہ کبھی کبھی اس طرح کا شعر کہہ دیتے تھے:

پنجہ در پنجۂ خدا دارم   من چہ پروائے مصطفےٰ دارم

اس پر علمائے کشمیر نے ان کے کافر اور واجب القتل ہونے کا فتویٰ صادر کیا اور شاہجہاں سے ان کے خلاف حدِ شرعی جاری کرنے کا مطالبہ کیا، شاہ جہاں اس کے لئے آمادہ ہوگیا تھا مگر داراشکوہ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ رفع دفع کرادیا، ملا شاہ کی ایک رباعی ہے:

آں را کہ بجاست برسر ایماں جنگ   او مومن و زایمان من او را صد ننگ
مومن نشود تا کہ برابر نشود   بابانگ نماز بانگ ناقوس فرنگ

اسی پر داراشکوہ کا عمل تھا، اس نے دوسرے مذاہب بالخصوص ہندو ویدانتیوں کی کتابوں میں حقیقت کی تلاش شروع کی اور تصوف اور ویدانت کی ہم آہنگی دکھانے لگا، ملا صاحب کی

صحبت نے ہندو مذہب سے آگے بڑھ کر دوسرے مذاہب سے بھی اس کی دلچسپی اور قربت بڑھائی، اس منزل تک پہنچانے میں جو اور اشخاص اس کے لئے خضر طریقت بنے ان میں مشہور صوفی سرمد کا نام سرفہرست ہے۔

سرمد مشہور رباعی گو شاعر سرمد نسلاً کاشانی یہودی تھے، وہ تورات کے بڑے عالم تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد فلسفہ و حکمت میں بڑی دستگاہ بہم پہنچائی، تجارت ان کا خاندانی پیشہ تھا، اسی سلسلے میں وہ ٹھٹھہ آئے اور ابھے چند نام کے ایک ہندو لڑکے سے ان کو عشق ہوگیا، لڑکا ان کا مرید ہوا اور ان سے عبرانی سیکھی اور تورات و زبور پڑھی۔

ٹھٹھہ کے قیام میں سرمد اس قدر مغلوب الحال ہوئے کہ عالم بیخودی میں کوچہ و بازار میں برہنہ دکھائی دیتے، اسی مجذوبانہ کیفیت میں وہ حیدرآباد پہنچے اور وہاں سے شاہ جہاں کے عہد میں دہلی آئے، ان کی عارفانہ رباعیوں کی شہرت دہلی پہلے پہنچ چکی تھی، اس لئے ان کا کلام سننے کے لئے بڑا مجمع ہوجاتا تھا، داراشکوہ بھی ان کا گرویدہ ہوگیا، اور انہوں نے پیشین گوئی کہ کہ شاہ جہاں کے بعد وہی بادشاہ ہوگا، اس سے اس کی گرویدگی اور شیفتگی مزید بڑھ گئی، وہ داراشکوہ کے سامنے آتے تو اپنی عریانی چھپانے کے لئے کمر میں کپڑے کا کوئی ٹکڑا باندھ لیتے لیکن جب اورنگ زیب اور داراشکوہ میں شاہ جہاں کی جانشینی کی جنگ ہوئی تو داراشکوہ کو شکست ہوئی اور وہ ارتداد، الحاد اور کفر و زندقہ کے الزام میں تہہ تیغ ہوا۔

عالم گیر نے تخت نشین ہونے کے بعد سرمد سے دریافت کیا کہ ان کی پیشین گوئی کیوں پوری نہیں ہوئی، سرمد نے جواب دیا وہ مژدہ صحیح ہوا، دارا کو ابدی سلطنت کی تاج پوشی نصیب ہوئی، یہ جواب اورنگ زیب کو ناگوار گزرا، بعض تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ ان کی رباعیوں کی وجہ سے ان پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ معراج جسمانی کے منکر ہیں، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قاضی عبدالقوی کو ان کی عریانی بڑی ناگوار تھی اس لئے ان سے باز پرس کی اور عریانی کا جرم قائم کرکے عالم گیر کو ان کے قتل کا مشورہ دیا، عالم گیر نے کہا صرف یہ وجہ موجب قتل نہیں ہوسکتی۔

سرمد کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ کلمہ کا صرف یہی جز لاالہ پڑھتے تھے، اس طرح ان پر مختلف قسم کے الزامات تھے، علما ناخوش اور عالم گیر برہم تھا اس لئے وہ علماء کے ایک اجتماع

میں طلب کئے گئے، دربار میں ان سے کلمہ پڑھنے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے حسب عادت صرف لا الہ پڑھا، علماء نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے کہا میں ابھی نفی میں مستغرق ہوں، مرتبہ اثبات پر نہیں پہنچا ہوں تو پھر جھوٹ کیسے کہوں؟ علما نے کہا ایسا کہنا کفر ہے، اگر کہنے والا توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے۔

اس فتوے کے بعد سرمد قتل گاہ کی طرف چلے تو پورا شہر امنڈ پڑا، اس قدر ہجوم تھا کہ راستہ چلنا دشوار ہو گیا تھا، لیکن سرمد پر کوئی اثر نہیں تھا اور وہ بڑے سکون واطمینان سے رباعیاں کہتے جا رہے تھے، اور جب جلاد تلوار لے کر ان کی طرف بڑھا تو ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ یہ شعر پڑھ رہے تھے:

رسیدہ یار عریاں تیغ ایں دم　　بہر رنگے کہ آئی می شناسم

پھر یہ اشعار پڑھے:

شورے شد واز خواب عدم چشم کشودیم　　دیدیم کہ باقی ست شب فتنہ غنودیم

سرجدا کرد از تنم شوخے کہ با ما یار بود　　قصہ کوتہ کرد ورنہ درد سر بسیار بود

بیان کیا جاتا ہے کہ سر کشتہ سے دیر تک کلمہ طیبہ کی آواز بلند ہوتی رہی، واللہ اعلم۔

دبستان مذاہب یہ اس زمانے کی معرکہ آرا تصنیف ہے، اس کے مصنف کا پتہ نہیں چلتا، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مصنف کا نام محسن فانی تھا، نفس تصنیف سے یہ تو معلوم ہی ہو جاتا ہے کہ اس کا مصنف مذہبی معاملات میں صلح کل کا داعی، ملا شاہ کا مرید اور صوفیوں کی اس جماعت سے تعلق رکھتا تھا جو آزاد خیال تھی، مصنف کو دوسروں کے عقائد وخیالات جاننے کا اشتیاق تھا، اس نے دبستان مذہب میں ایشیا کے تمام مشہور مذاہب کے عقائد بیان کئے ہیں، اس کتاب کا نصف حصہ پارسی مذہب کے عقائد وفرق پر مشتمل ہے، ایک چوتھائی کتاب میں مختلف ہندو فرقوں کے حالات قلم بند ہیں، ایک باب سکھوں کے حالات کے لئے مختص ہے، ایک باب میں ایسے متفرق اشخاص کے حالات درج ہیں جن کا خاص تعلق نہ ہندو مذہب سے تھا اور نہ اسلام سے، بیراگیوں کے متعلق بھی ایک باب ہے جن میں مسلمان بیراگیوں کا ذکر بھی ہے جو وشنو کی پرستش کرتے تھے، آخر میں عیسائی یہودی، بودھ اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور دین الٰہی وغیرہ

کا تذکرہ ہے، ایک باب میں ان بزرگوں کا ذکر ہے جن سے اس کی ملاقات ہوئی تھی، اس میں سب سے پہلے داراشکوہ کے مرشد حضرت ملا شاہ بدخشی کا تذکرہ ہے اور اس ضمن میں داراشکوہ کو حضرت محی الدین محمد خداوند مکان ومکین وصاحب زمان وزمیں کا خطاب مرحمت کیا ہے۔

شیخ محب اللہ الہ آبادی داراشکوہ کو شاہ محب اللہ سے نہایت عقیدت تھی اور وہ ان کا بڑا مداح تھا، ایک خط میں لکھتا ہے کہ الہ آباد کی گورنری سے مجھے اسی لیے خوشی ہے کہ آپ سے ربط و ضبط رہے گا۔

شیخ محب اللہ الہ آبادی اگرچہ سلسلۂ قادریہ سے منسلک نہیں تھے، تاہم انکے یہاں بھی ملا شاہ اور داراشکوہ کی آزاد خیالی اور وسیع المشربی پائی جاتی تھی، وہ علوم ظاہری وباطنی کے جامع اور تصوف میں درجہ اجتہاد پر فائز تھے، ان کی تصانیف کا موضوع علم تصوف اور وحدت الوجود ہے یا وہ خواص کے عقائد پر ہیں یا وہ ابن عربی کی کتابوں کی شرحیں ہیں، ان کے رسالہ تسویہ پر عہد عالمگیری میں ایک زبردست ہنگامہ برپا ہو گیا تھا، جس میں وحی کے متعلق جو خیالات ظاہر کیے گئے تھے وہ عام اسلامی اعتقاد کے برخلاف تھے، دوسرے امور ومسائل کے بارے میں بھی ان کا نظریہ وہی تھا جو اکبر وغیرہ کا تھا۔

داراشکوہ ان ہی صوفیہ کے زیر اثر رہا وہ لکھتا ہے کہ اس کے مرشد میاں میر نے وفات کے بعد اسے غائبانہ طور پر مشاہدہ ومراقبہ سکھایا اور ان کی وجہ سے اسے لیلۃ القدر کی زیارت ہوئی، اس نے ملا شاہ اور دوسرے جن مسلمان مشائخ کا طریقہ اختیار کیا تھا ان کے وحدت الوجودی مشرب اور ہندو ویدانت میں فرق نہ تھا، داراشکوہ نے ویدانت کے فلسفہ توحید اور محی الدین ابن عربی کے اصول ''ہمہ اوست'' کو خواہ جس صورت سے بھی ہو جوڑنے کی کوشش کی، اس طرح وحدت ادیان کے تصور تک اس کی رسائی ہوئی اور وہ مسلمان صوفیوں اور ہندو یوگیوں کی اس جماعت کا سرگروہ ہو گیا جو تصوف اور ویدانت میں دونوں قوموں کے لئے ایک مشترک روحانی مطمح نظر تلاش کر رہی تھی، ہندوؤں میں اس طرح کے لوگ فارسی زبان سے بھی واقف ہو گئے تھے، ان کو مثنوی مولانا روم اور تصوف کی کتابوں میں ایسی باتیں نظر آتی تھیں جنھیں وہ اپنی چیزوں کے مطابق پاتے تھے اور مسلمان بھی خیال کرنے لگے تھے کہ ہندوؤں میں بت پرست

اور دیوتاؤں سے انسانی اوصاف اور عام بشری خصائص منسوب کرنے والے لوگ ہی نہیں ہیں بلکہ نہایت پاکباز، تارک الدنیا اور بے ریا لوگ بھی ہیں، چنانچہ وہ ہندو سادھوؤں کی روحانیت سے متاثر ہوتے تھے۔

غرض داراشکوہ وحدت الوجودی صوفیہ اور ہندو جوگیوں اور سادھوؤں سے مل کر نہ صرف ہندو مسلمانوں کا بلکہ دوسرے مذہب والوں کا بھی ایک متحدہ دین، مخلوط مذہب اور مشترک تہذیب وجود میں لانا چاہتا تھا جو اکبر کے دین الٰہی کا نیا اڈیشن تھا اور جس کے ڈانڈے اسلام سے نہیں ملتے تھے، اس میں اور اورنگ زیب میں تخت و تاج کے لئے جنگ تو تھی ہی، ان دونوں کی مخالفت میں شدت کی ایک بڑی وجہ ان کے مذہبی عقائد بھی تھے، اورنگ زیب اسلام کی اصل روح و حقیقت اس کو سمجھتا تھا کہ شریعت کی مکمل پابندی کی جائے، وہ طریقت کی اس راہ کو پسند کرتا تھا جس کی بنا حضرت مجدد الف ثانیؒ نے رکھی تھی، بعض روایتوں کے مطابق اس کو حضرت مجددؒ کے خلیفہ و فرزند حضرت معصوم سرہندی سے بیعت کا شرف بھی حاصل تھا۔

داراشکوہ کی تصانیف و تراجم ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ داراشکوہ علمی حیثیت سے بلند پایہ اور باکمال مصنف تھا، ذیل میں اس کی ان تصنیفات کا تعارف کرادینا مناسب ہوگا جن پر اس کے مخصوص عقائد و رجحانات کی چھاپ ہے۔

۱۔ سفینۃ الاولیاء: یہ داراشکوہ کی پہلی تصنیف ہے جو ۲۵ برس کی عمر میں ۱۶۴۰ء / ۱۰۴۹ھ میں لکھی گئی تھی، اس میں ابتدائے اسلام سے عہد شاہ جہاں تک کے ۴۱۱ صوفیائے کرام کا تذکرہ ہے، شروع میں رسول اکرم ﷺ کا ذکر مبارک ہے، پھر خلفائے راشدین، حضرات حسنین اور دوسرے ائمہ کے مناقب ہیں، اس کے بعد مختلف سلاسل قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، کبرویہ اور سہروردیہ کے بزرگوں کے حالات درج ہیں، آخر میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات اور بنات طاہرات کے بعد ان خواتین کا ذکر ہے جنہوں نے راہ سلوک میں کمال حاصل کیا۔

اس کتاب میں اس نے اپنے کو حنفی قادری لکھا ہے، یہ کتاب کئی بار چھپی ہے، ۱۸۵۳ء میں مطبع مدرسہ آگرہ سے مسٹر بیل کے اہتمام میں جو نسخہ شائع ہوا تھا وہ ۲۴۷ صفحوں پر مشتمل ہے۔

۲۔ سکینۃ الاولیاء: یہ کتاب ۲۸ برس کی عمر میں ۱۰۵۲ھ میں لکھی جس میں اپنے پیر ملا محمد شاہ

بدخشانی کے مرشد حضرت میاں جی میر کے حالات، ملفوظات، کرامات اور ان کے خاندان اور خلفا کے حالات لکھے ہیں۔

اس کتاب کی تصنیف کے وقت داراشکوہ کو الہام یا ندائے غیبی کا تجربہ ہونا شروع ہوگیا تھا، چنانچہ لکھا ہے کہ "ایک روز خواب میں یہ ندائے غیبی چار بار سنائی دی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے ایک ایسی چیز ملے گی جو آج تک روئے زمین کے کسی بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی، خواب سے بیدار ہونے کے بعد میں نے سوچا کہ یہ عرفان کی سعادت ہوگی ..... میں اس دولت عظمیٰ کا ہمیشہ طلب گار رہا، یہاں تک کہ ۲۹ ذی الحجہ ۱۰۴۹ھ کو خدا کے ایک دوست کی صحبت میں پہنچا وہ مجھ پر نہایت مہربان ہوا، جو بات دوسرے لوگوں کو ایک مہینہ میں حاصل ہوئی تھی، وہ مجھے ایک رات میں مل گئی اور جو کچھ دوسرے ایک سال میں حاصل کرتے تھے، مجھے ایک مہینہ میں حاصل ہوگئی، جہاں اور کوئی طالب سالہا سال کے مجاہدوں اور ریاضتوں سے پہنچتا ہے، میں محض اللہ کے فضل و کرم سے بغیر ریاضت یک بارگی پہونچ گیا، دونوں جہاں کی محبت میرے دل سے اٹھ گئی اور فضل و رحمت کے دروازے میرے دل پر کھل گئے اور جو میں چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا" (دیباچہ ص ۵)۔

گویا خواب کی تعبیر یہ تھی کہ داراشکوہ ۲۹ ذی الحجہ ۱۰۴۹ھ کو ملا شاہ بدخشی کے ہاتھ پر بیعت ہوا۔

حضرت میاں جی میر جس قصبہ میں رہتے تھے اس کا نام "باری" تھا داراشکوہ کو ان سے ایسی عقیدت تھی کہ انہیں "باری تعالیٰ" کہتا اور لکھتا تھا۔

سکینۃ الاولیاء کا اردو ترجمہ کشمیری بازار لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

۳۔ رسالۂ حق نما: یہ رسالہ جو چار فصلوں پر منقسم ہے، داراشکوہ اس کی تصنیف سے ۱۰۵۶ھ میں فارغ ہوا، بعض مورخین نے اس ہاتف غیبی کا ذکر اس رسالہ میں بھی کیا ہے جس کو ہم سکینۃ الاولیاء کے تعارف میں نقل کر چکے ہیں۔

اس رسالہ میں واصل الی الحق ہونے کے مختلف مدارج بیان کیے ہیں اور لکھا ہے کہ اسے صرف ایسے ہی شخص کو پڑھنا چاہیے جس کی ہدایت کے لئے ایک مرشد موجود ہو، وہ لکھتا ہے کہ جو اہل اللہ اور عارف اس رسالہ کو پڑھیں گے وہ اس بات پر متحیر ہوں گے کہ اللہ نے کشف

رموز و حقائق کے کیسے کیسے ابواب مجھ پر کھول دیے ہیں اور ایک شاہزادہ ہونے کے باوجود اور کسی ریاضت و عبادت کے بغیر عرفان کا دروازہ کس طرح مجھ پر باز ہوگیا ہے''۔

۴۔ **حسنات العارفین یا شطحیات:** جب داراشکوہ شریعت کی نظر میں قابل الزام باتیں علانیہ عام گفتگو میں کہنے لگا تو اس کی انگشت نمائی ہونے لگی جس کے جواب میں اس نے یہ کتاب لکھی اور رسول اکرم ﷺ اور صحابۂ کرام کے بعض موضوع اقوال اور مختلف بزرگوں کی زبان سے حالتِ جذب میں نکل جانے والے جملے جمع کر کے منصور کے دعوائے انا الحق کی تائید کی اور ثابت کیا کہ حالتِ جذب میں کہے جانے والے الفاظ و اقوال قابل مواخذہ نہیں ہوتے، دیباچے میں لکھتا ہے۔

''دل بالکل اہل سلوک و طریقت کی کتابوں سے بھر گیا تھا اور سوائے محض توحید کے کچھ اور منظور نہ تھا اور وجد اور ذوق کی رو سے اکثر کلمات بلند حقائق و معارف نکلتے تھے اور پست فطرت کم ہمت والے زاہد خشک کوتاہ بینی سے طعن و تکفیر کے درپے رہتے تھے، اس واسطے اس فقیر کے دل میں آیا کہ جو کچھ بڑے بڑے موحدوں اور عارفوں سے کہ اس وقت کی مخلوقات سے سب سے بہتر ہیں اور معاملات میں راست باز ہیں اور ان سے سخنان بلند صادر ہوتے ہیں جن کو تشابہات اور شطحیات کہتے ہیں اور اس قوم کے رسالوں اور کتابوں میں متفرق موجود ہیں یا وہ باتیں جو آج کل کے شخصوں سے خود سنی ہیں، جمع کرلے تاکہ حجت قاطعہ ہو ان لوگوں پر اور دلیل بلند ہو ان پر جو عیسی نفس دجال اور موسی صفت فرعون اور محمدی مشرب ابوجہل ہیں''۔

داراشکوہ نے یہ کتاب ۱۰۶۲ھ میں مکمل کی تھی اور اس سے یہ بتانا چاہا ہوگا کہ اب وہ اس درجہ و مرتبہ کو پہنچ گیا ہے جہاں کفر و اسلام، الحاد و ایمان، نور و نار، خیر و شر، ظلمت و ضیا اور عبد و معبود کا سوال باقی نہیں رہتا۔

۵۔ **مجمع البحرین:** یوگ و تصوف کی ہم آہنگی، مذہب اسلام اور ہندو دھرم کو سمندر کا ایک ہی دھارا اور اتحاد مذاہب کے نظریہ کو تقویت دینے والی داراشکوہ کی سب سے اہم تصنیف یہی ہے جو ۱۰۶۵ھ میں تصنیف کی گئی تھی، اس میں تصوف اور فلسفہ ویدانت کو اپنے اصول، اپنی تعلیمات اور اپنے خیالات کے لحاظ سے ایک قرار دیا ہے اور ان میں اختلاف کو صرف لفظی بتایا ہے، جو

شخص حق کو حاصل کرنا چاہے وہ ان میں سے جس راستہ کو بھی اختیار کرلے منزل مقصود تک پہنچ جائے گا، مسلمانوں کی اس پر ناراضگی کے خیال سے دیباچہ میں تحریر کیا کہ اس نے یہ کتاب رازِ درون خانہ سے واقف اہل بیت کے لیے لکھی ہے۔

مسلمان صوفیوں اور ہندو جوگیوں کے عقاید کا مجموعہ ہونے کی بنا پر اس کا نام مجمع البحرین رکھا، اس میں عناصر خواص، صفات الٰہی، نبوت، ولایت اور عالم برزخ وغیرہ کے متعلق تصوف اور یوگ کے خیالات جمع کیے ہیں، جس کی تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔

جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن مرحوم کا خیال ہے کہ ''یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی اور آخری تصنیف ہے''، اس کا سنسکرت ترجمہ سمودر سنگم کے نام سے ہوا اور پروفیسر محفوظ الحق نے بہت دقت نظر سے اس کو ایڈٹ کر کے اس کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع کیا۔

داراشکوہ کی اصل تصانیف یہی پانچ تھیں اب جن کتابوں کا ذکر آرہا ہے ان کا اس نے خود یا دوسروں سے ترجمہ کرایا اور وہ زیادہ تر ہندو مذہب کی کتابیں ہیں۔

۶۔ **سر اکبر:** داراشکوہ نے ۱۰۶۷ھ میں بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے اوپنشد کے ۵۰ ابواب کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا تھا، اس فارسی ترجمے کے ترجمے یورپ کی مختلف زبانوں میں ہوئے، ڈاکٹر تاراچند نے ایک ایرانی فاضل رضا جلالی کی مدد سے اسے ایڈٹ کر کے ۱۹۶۱ء میں شائع کیا، اس کا ایک قلمی نسخہ دارالمصنفین میں ہے، جس کے دیباچہ کے بعض مشمولات کا ذکر آگے اس کے عقاید کے سلسلے میں کیا جائے گا۔

۷۔ **مکالمۂ داراشکوہ و بابا لعل:** داراشکوہ قندھار کی مہم سے واپسی میں لاہور میں رکا اور بابا لعل بیراگی سے ملا، دونوں کی گفتگو سات مجلسوں میں ختم ہوئی، ان مکالموں کو داراشکوہ کے حکم سے اس کے میر منشی چندر بھان نے قلم بند کیا تھا، اس میں بھی یہ دکھایا ہے کہ حق و صداقت کسی خاص مذہب کی ملکیت نہیں ہے۔

بابا لعل بیراگی قصور کا باشندہ اور ذات کا کھتری تھا، لیکن اس کا استھان دھیان پور بٹالہ میں تھا، وہ میاں میر کا دوست تھا اور داراشکوہ اسے عارف کامل سمجھتا تھا، یہ رسالہ مع اردو ترجمہ مطبع

مجیب ہند دریا گنج دہلی سے چھپا تھا، اردو ترجمہ لالہ چرنجی لعل کے قلم کا رہین منت ہے۔

۸۔ جوگ بششٹ: دارا کے حکم سے اس کا ترجمہ سنسکرت سے فارسی میں ہوا، اس میں رام چندر جی کے گرو بششٹ کے ارشادات جمع ہیں، اس کو ترجمہ کرانے کا عرفانی و الہامی سبب یہ بیان کیا ہے۔

''اس کتاب کے انتخاب کا ترجمہ ہم نے مطالعہ کیا تو رات کو خواب میں دیکھا کہ دو بزرگ قبول صورت ایک اونچے پر اور دوسرے کسی قدر ان سے نیچے کھڑے معلوم ہوئے جو اونچے پر کھڑے تھے بششٹ تھے، دوسرے رام چندر۔۔۔۔۔ میں بے اختیار بششٹ کی خدمت میں حاضر ہوا۔۔۔۔۔ بششٹ نے نہایت مہربانی سے ہاتھ میری پیٹھ پر رکھا اور فرمایا کہ اے رام چندر یہ سچا طالب ہے، اور سچی طلب میں تیرا بھائی ہے، اس سے بغل گیر ہو، رام چندر کمال محبت کے ساتھ مجھ سے ملے، اس کے بعد بششٹ نے رام چندر کے ہاتھ میں مٹھائی دی تاکہ مجھے کھلادیں، میں نے وہ شیرینی کھائی، اس خواب کے دیکھنے پر ترجمہ کی خواہش از سر نو زندہ ہوئی اور دربار عالی کے حاضرین میں سے ایک شخص مقرر اس خدمت پر ہوا اور ہندوستان کے پنڈتوں سے۔۔۔ اس کتاب کے لکھنے میں اہتمام و انصرام کرایا''۔

سید نجیب اشرف ندوی مرحوم کا خیال ہے کہ ''مہاراج رام چندر جی کے بادشاہ وقت ہونے کے باوجود ان کے اوتار دکھانے سے داراشکوہ کا منشا یہ باور کرانا ہوگا کہ اگرچہ وہ بظاہر شاہ جہاں کا ولی عہد ہے لیکن بہ باطن وہ بھی رام چندر جی کی طرح واصل الی الحق بزرگ ہے''۔

۹۔ دیوان: داراشکوہ جس درجہ کا نثر نگار تھا اسی درجہ کا شاعر بھی تھا اور قادری تخلص کرتا تھا سرخوش کلمات الشعراء میں لکھتا ہے۔

''طبع بلند و ذہن رسا داشت، مطالب صوفیہ در رباعی و غزل منظوم می کرد''

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے داراشکوہ کے دیوان کا نام ''اکسیر اعظم'' بتایا ہے، ادارۂ تحقیقات پاکستان دانش گاہ پنجاب لاہور سے احمد نبی خاں نے اس کا دیوان مرتب کر کے شائع کیا ہے، جناب سید صباح الدین عبدالرحمن مرحوم نے بزم تیموریہ حصہ سوم میں مختلف تذکروں اور مطبوعہ دیوان کی مدد سے بہ کثرت اشعار نقل کیے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی شاعری

بھی اس کے مخصوص عقائد و خیالات، وحدت الوجود کے تصورات اور صوفیانہ شطحیات سے بھری ہوئی ہے۔

مذہبی عقائد ابھی تک داراشکوہ کے حالات، سلوک و عرفان کی منزلیں طے کرنے کی سرگذشت اور علمی و تصنیفی خدمات بیان کیے گئے تھے، اب یہ دکھایا جائے گا کہ وہ ایک ملا جلا مذہب تیار کرنے میں لگا ہوا تھا۔

داراشکوہ توحید کو جو اسلام کا طغرائے امتیاز اور اصل الاصول ہے اور ویدانت کے ہمہ اوست کو ایک ہی چیز سمجھتا اور چونکہ ہندوؤں کے یہاں فنافی اللہ کے درجے تک پہنچنے کے لیے کوئی خاص راہ اور کوئی خاص شریعت مقرر نہیں تھی بلکہ جس شخص کو جو طریقہ اچھا معلوم ہوتا تھا اسی کو اختیار کر لیتا تھا، اس لیے داراشکوہ نے بھی تصوف کو توڑ مروڑ کر اس اعلیٰ ترین درجہ تک پہنچنے کے لئے شریعت کی راہ پر چلنے کی قید اڑا کر مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دینی شروع کی کہ وصال الی الحق اور فنافی اللہ ہونے کے لئے مذہب کی ظاہری پابندی ضروری نہیں، خوشامدی درباریوں اور دنیا پرست صوفیوں نے اسے یقین دلانا شروع کیا کہ وہ راہ حق کی تمام منزلیں چشم زدن میں ختم کر چکا اور فنافی اللہ کے درجے میں پہنچ گیا، چنانچہ ترکِ احکام شریعت کی جو وجہ وہ بتاتا تھا وہ یہ تھی جب میں فنافی اللہ ہو چکا تو عبادت کیوں کروں؟

ہندوؤں کے علاوہ اس زمانے کے عیسائیوں سے اس کے اتنے گہرے تعلقات تھے کہ وہ لوگ یہ سمجھنے لگے تھے کہ داراشکوہ مسیحی ہے اور اسی خیال نے ان کو یہ کہنے پر آمادہ کیا کہ وہ مسیحی مرا اور جس وقت وہ مرا اس کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے کہ ''محمد مرامی کشد و ابن اللہ مریم مرامی بخشد'' داراشکوہ نے اخیر میں ہندوؤں کے کیش و آئین کو اختیار کرنا شروع کیا تو برہمنوں، جوگیوں اور سنیاسیوں کی صحبت میں رہتا تھا اور اس گروہ کو عارف، مرشد کامل اور واصل حق خیال کرتا تھا اور ان کی کتاب وید کو کتاب آسمانی اور خطاب ربانی کہتا تھا، قرآن مجید میں بیان کردہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کو ''پربھو'' کا نام دیتا تھا اور اسی کو اسم اعظم سمجھتا تھا اور جن قیمتی پتھروں اور ہیرے، جواہرات کو وہ پہنتا تھا ان پر پربھو کندہ کرا دیا تھا اور ان سے تبرک حاصل کرتا تھا۔

اس کی کتابوں میں اس کے اس طرح کے خیالات موجود ہیں، اپنی بزرگی کے بارے

میں رسالۂ حق نما کے دیباچہ میں یہ خیال ظاہر کرتا ہے:

"جمعہ کی رات ۸؍رجب ۱۰۵۵ھ کو فقیر کے سرہانے یہ ندا آرہی تھی کہ اولیائے کرام کا سب سے بہتر اور اعلیٰ طریقہ سنیہ قادریہ ہے"۔

"ہمہ اوست" کے متعلق اپنے ایک خط میں شاہ دل ربا کو لکھتا ہے:۔

"الحمد للہ اس مقدس گروہ (آزاد خیال صوفیوں) کی صحبت سے اس فقیر کے دل سے اسلام مجازی برخواست ہوگیا اور کفر حقیقی ظاہر ہونے لگا۔۔۔۔۔اب جب کہ کفر حقیقی کی قدر میں نے جان لی، زنار اور بت پرست بلکہ خود پرست اور دیر نشیں ہوگیا"۔

فنا کے بارے میں لکھتا ہے:

"لکھنے اور کہنے سے کوئی فانی نہیں ہو جاتا بلکہ فانی وہ ہے کہ رسم و اسم، ظاہر و باطن، قیاس ولباس سے آزاد ہو جائے، گو کوئی اپنے خیال کے مطابق فانی ہو جائے اور اس کی ظاہری صورت فانی جیسی ہو، لیکن اگر باطن میں کوئی اثر نہ ہو اور ہستی موہوم باقی رہتی ہے تو وہ صورت فانی میں نظر آئے گا اور لباس فنا معنی ظاہر میں ہوگا"۔

اوپنشد کا ترجمہ سر اکبر کے نام سے کیا تو اس میں بسم اللہ کی جگہ سری کرشن جی کی تصویر دی اور دیباچہ میں لکھا کہ اصل قرآن مجید یہی ہے اس کو ترجمہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی۔

"جب یہ فقیر بے اندوہ محمد داراشکوہ ۱۰۵۰ھ میں کشمیر جنت نظیر گیا تو میں نے عنایت الٰہی اور اس کے فضل نامتناہی سے کاملوں کے کامل، عارفوں کے خلاصہ، استادوں کے استاد، پیشواؤں کے پیشوا اور حقائق آگاہ کے معتقد یعنی حضرت ملا شاہ سلمہ اللہ سے سیادت و ارادت حاصل کی، مجھ کو ہر گروہ کے عارفوں کو دیکھنے اور توحید کے متعلق اعلیٰ باتیں سننے کا ذوق تھا اور تصوف کی بہت سی کتابیں نظر سے گذر چکی تھیں اور کچھ رسالے بھی تصنیف کیے تھے، لیکن طلب توحید میں جو ایک بحر بے کراں ہے اور بھی تشنگی ہر وقت بڑھتی گئی، دقیق مسائل ذہن میں آتے تھے، جس کا حل بجز کلام الٰہی اور استاذ ذات نامتناہی کے ممکن نہ تھا، چونکہ قرآن مجید و عظیم و فرقان کریم کی اکثر باتیں رمزی ہیں اور آج کل ان کے جاننے والے کم ہیں اس لئے میں نے چاہا کہ تمام آسمانی کتابوں کو پڑھوں کیوں کہ کلام الٰہی اپنی تفسیر آپ ہے، یعنی جو بات مجمل ہوگی، دوسری کتابوں میں مفصل پائی

جائے گی، اس تفصیل سے اجمال معلوم ہو جائے گا، میں نے توریت، انجیل، زبور اور دوسری کتابیں پڑھیں لیکن ان میں توحید کا بیان مجمل اور اشارات میں تھا اور ان آسان ترجموں سے جن کو اہل غرض نے کیا ہے، مطلب معلوم نہیں ہوتا تھا اس لئے اس بات کی فکر میں ہوا کہ ہندوستان وحدت عیان میں توحید کی گفتگو کیوں بہت زیادہ ہے، اور قدیم ہند کے ظاہری اور باطنی علما کو وحدت سے انکار اور موحدوں پر کوئی اعتراض نہیں؛ بلکہ ان پر اعتبار ہے، برخلاف اس کے جہلائے وقت خداشناسوں اور موحدوں کے قتل، کفر اور انکار میں مشغول ہیں اور توحید کی تمام باتوں کو جو کلام پاک اور صحیح احادیث نبوی سے ظاہر ہیں، رد کرتے ہیں، وہ خدا کے راستے کے راہ زن ہیں، ان باتوں کی تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس قوم قدیم (ہندوؤں) کے درمیان تمام آسمانی کتابوں سے پہلے چار آسمانی کتابیں تھیں، رگ وید، سام وید، یجروید، اتھروید.....اور اس وقت کے سب سے بڑے نبی برہما یعنی آدم صفی اللہ پر یہ تمام احکام نازل ہوئے اور یہ باتیں ان کتابوں سے ظاہر ہیں ۔۔۔۔اور محض توحید کے اشغال اس میں درج ہیں جس کا نام اپنکہت ہے، اس زمانہ کے انبیاء نے ان کو علحدہ کر کے ان پر شرح و بسط کے ساتھ تفسیریں لکھی ہیں اور ہمیشہ ان کو بہترین عبارت سمجھ کر پڑھتے ہیں، اس خاکسار کی نظر چونکہ وحدت ذات کی اصل پر تھی نہ کہ عربی، سریانی، عراقی اور سنسکرت زبان پر، اس لئے چاہا کہ ان اپنکہت کو جو کہ توحید کا خزانہ ہے اور جس کے جاننے والے اس قوم میں بھی کم رہ گئے ہیں، فارسی زبان میں بغیر کسی کمی اور بیشی اور نفسیانی غرض کے لفظ بہ لفظ بالمقابل ترجمہ کر کے سمجھوں کہ یہ جماعت اس کو اہل اسلام سے پوشیدہ اور پنہاں رکھتی ہے، اس کا کیا بھید ہے؟ شہر بنارس جو اس قوم کا دار العلم ہے اور جہاں پنڈت اور سنیاسی جو کہ سرآمد وقت اور بید اور اپنکہت کے جاننے والے تھے۔۔۔اس خاکسار سے تعلق رکھتا تھا۔۔۔۱۰۶۷ھ میں بے غرضی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا اور توحید کے متعلق ہر قسم کی مشکل اور اعلیٰ باتیں جن کا میں طلب گار تھا، لیکن حل نہیں پاتا تھا، اس قدیم کتاب کے ذریعہ سے معلوم ہوئیں جو بلاشک و شبہ پہلی آسمانی کتاب ہے اور بحر توحید کا سرچشمہ ہے اور قدیم ہے، اور قرآن مجید کی آیت بلکہ تفسیر ہے اور صراحتاً ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بعینہ اس کتاب آسمانی سرچشمہ بحر توحید اور قدیم کے حق میں ہے، اِنَّهٗ لَقُرْآنٌ كَرِيْمٌ فِيْ كِتَابٍ مَّكْنُوْنٍ لَا يَمَسُّهٗ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ،

یعنی قرآن کریم ایسی کتاب میں ہے جو پوشیدہ ہے اور اس کو نہیں چھوتے ہیں مگر وہ جو کہ پاک ہیں وہ نازل ہوئی ہے خداوند عالم کی طرف سے اس سے متعین طور سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت توریت اور انجیل کے حق میں نہیں بلکہ تنزیل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ لوح محفوظ کے حق میں ہے چونکہ اپنکھت کہ ایک مخفی راز ہے اصل وماخذ ہے اور قرآن مجید کی آیتیں بعینہ اس میں پائی جاتی ہیں، پس تحقیق کہ چھپی ہوئی کتاب یہی کتاب قدیم ہے، اس فقیر کا جس نے بے جانی ہوئی چیز کو جان لیا اور بے سمجھی ہوئی چیز کو سمجھ لیا، اس ترجمہ کے کرنے میں اس کے سوا کوئی مطلب اور مقصد نہ تھا کہ وہ اور اس کی اولاد اس کے دوست اور حق کے طلب گار فائدہ اٹھائیں"۔

آیئے اب اس کی سب سے اہم اور مشہور کتاب مجمع البحرین سے دیکھیں کہ داراشکوہ نے ہندو مت اور اسلام کو یکساں قرار دینے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو قریب تر کرنے کے لیے کیا کیا نکتہ سرائیاں اور موشگافیاں کی ہیں، عناصر کے متعلق لکھتا ہے کہ ناسوتی مخلوقات کے لیے پانچ عناصر تسلیم کیے گئے ہیں جو اہل شرع کے نزدیک یہ ہیں:

۱۔عنصر اعظم جس کو عرش اکبر بھی کہتے ہیں، ۲۔باد، ۳۔آتش، ۴۔خاک، ۵۔آب۔

اہل ہند پانچ عناصر کو پانچ بھوت کہتے ہیں جو ان کے نزدیک یہ ہیں، ۱۔آکاس، ۲۔بائی، ۳۔تیج، ۴۔پرتھی، ۵۔جل۔

آکاس کی تین قسمیں ہیں، ۱۔بھوت آکاس، ۲۔من آکاس، ۳۔چد آکاس۔

بھوت آکاس تمام عناصر کو گھیرے ہوئے ہے، من آکاس موجودات کو گھیرے ہوئے ہے، چد آکاس سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے، چد آکاس حادث نہیں ہے، اس سے عشق کا ظہور ہوتا ہے جس کو اہل ہند مایا کہتے ہیں اور عشق سے روح اعظم نکلتی ہے جو جیو آتما ہے، روح اعظم ہی حقیقت محمدی ہے، ہندوستان کے موحد اس کو ہرن گربھ اور اوستھات آتما کہتے ہیں۔

قیامت کو ہندوستانی موحد مہاپرلی کہتے ہیں اور جس طرح یہ عقیدہ ہے کہ قیامت میں خدا کے سوا سب فنا ہو جائیں گے اسی طرح ہندوستانی موحد کہتے ہیں کہ مہا آکاس کے سوا ہر چیز فانی ہے، خاک کو اہل ہند دیوی کہتے ہیں کہ جس سے ساری چیزیں پیدا ہوئی ہیں اور جہاں ہر چیز واپس جائے گی، یہی چیز قرآن کریم کہتا ہے کہ ہم نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، مٹی میں تم کو لے

جائیں گے اور مٹی سے پھر تمہیں باہر کریں گے۔

حواس بھی عناصر کی طرح پانچ ہیں جن کو اہل ہند پنچ اندری کہتے ہیں، پانچ حواس شامہ، ذائقہ، باصرہ، سامعہ، لامسہ ہیں، ان کو اہل ہند گھران، رسنا، چھچھ، سروتر اور توک کہتے ہیں، حواس باطن بھی پانچ ہیں ۔۱۔حس مشترک، ۲۔متخیلہ، ۳۔متفکرہ، ۴۔حافظہ، ۵۔واہمہ، اہل ہند کے نزدیک حواس باطن چار ہیں، ۱۔بدھ، ۲۔من، ۳۔آہنکار، ۴۔چت، ان چاروں حواس کو انتہ کرن کہتے ہیں جو مذکورہ بالا پانچوں حواس کے برابر ہیں۔

شغل: داراشکوہ نے ہندی موحدوں کا بہترین شغل اجپا کو بتایا ہے جو نیند اور بیداری کی حالت میں بے قصد و بے اختیار جاری رہتا ہے اس شغل میں جو سانس باہر نکلتی ہے اس کو "او" کہتے ہیں اور جو اندر جاتی ہے، اس کو "من" کہتے ہیں، صوفیہ کے یہاں یہی چیز "ہواللہ" سے ظاہر ہوتی ہے جو سانس اندر جاتی ہے وہ "ہو" ہے اور جو باہر آتی ہے وہ "اللہ" ہے اور ہر ذی حیات میں یہ چیز پائی جاتی ہے، لیکن وہ اس سے بے خبر ہے۔

صفات الٰہی: صوفیہ کے یہاں اللہ تعالیٰ کی دو صفت جمال اور جلال ہیں اور تمام آفرینش ان ہی دو صفات کے ماتحت ہیں، ہندوستان کے فقراء کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے یہ تین صفات ہیں، جن کو وہ ترگن کہتے ہیں، ۱۔ست، ۲۔رج، ۳۔تم ست یعنی ایجاد، رج یعنی ابقا اور تم یعنی فنا ہے، صوفیہ کے یہاں رج یعنی ابقا جمال کی صفت ہی میں شامل ہے، یہ تینوں صفتیں برہما بشن اور مہیش سے منسوب ہیں جو صوفیہ کی زبان میں جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل کہلاتے ہیں، برہما یعنی جبرئیل ایجاد، بشن یعنی میکائیل، ابقا اور مہیش یعنی اسرافیل فنا کے مؤکل ہیں۔

روح: اس کی دو قسمیں ہیں، روح اور ابوالارواح جن کو ہندی فقرا آتما اور پریم آتما کہتے ہیں۔

داراشکوہ صوفیوں کے چار عالم ناسوت، ملکوت، جبروت اور لاہوت بتا کر ان کے مقابل ہندی فقرا کے یہ چار عالم بیان کرتے ہیں، جاگرت، سپن، سکھوپت اور تریا۔

آواز جو "کن" کا مفہوم ہے وہ ہندی فقرا کے یہاں لفظ سرتی سے ظاہر ہوتا ہے، جو آواز مطلق کے معنی ہیں وہی انا ہت کے ہیں، اسم اعظم کو ہندی فقرا بید مکھ کہتے ہیں۔

نور: نور کے بارے میں لکھتا ہے، اس کی تین قسمیں ہیں اگر جلال کی صفت میں ظاہر ہو تو

آفتاب یا یاقوت یا آگ کا رنگ اختیار کرتا ہے اور جمال کی صفت میں ظاہر ہونے پر ماہتاب یا چاندی یا مروارید یا پانی کا رنگ اختیار کرتا ہے اور تیسرا نور ذات ہے جو ان تمام رنگوں سے منزہ ہے اور اولیاء اللہ کے سوا کسی اور کو نہیں دکھائی دیتا، ہندوستان کے فقرا اس نور کو جون سروپ، سواپر کاس، اور سپن پرکاس سے تعبیر کرتے ہیں۔

رویت الٰہی کو ہند کے موحد ساچھات کار کہتے ہیں۔

اسمائے الٰہی کا تطابق اس طرح ہے ذات مطلق آسن، بحت ترگن، غیب الغیب نرنکار، واجب الوجود نرنجن، علم چتن، الحق اشت، قادر سمرتھ، سمیع سروتا، بصیر درشنا، اللہ اوم وغیرہ۔

اسی طرح فرشتہ کو دیوتا، مظہر اتم کو اوتار، وحی کو آکاس وانی، حور کو انچھر، شیطان کو راچھس، ولی کو رشی اور نبی کو مہا سدھ کہتے ہیں، اور "کل" کے جو معنی ہیں اس کے لیے ہندوستان کے موحدوں کے یہاں برہمانند کا لفظ ہے۔

جہات: اسلام میں مشرق، مغرب، شمال، جنوب، فوق، تحت چھ ہیں لیکن ہندوستانی موحدوں کے نزدیک چھ کے علاوہ چار اور ہیں اور وہ مشرق، مغرب، شمال اور جنوب کے مابین کے حصے ہیں۔

آسمان کو ہندی موحد گگن کہتے ہیں، آسمان میں سات سیارے ہیں زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد اور قمر، انہیں اہل ہند پچھتر، برہسپت، منگل، سورج، سکر، بدھ اور چندرماس کے نام سے پکارتے ہیں آٹھویں آسمان کو اہل شرع فلکِ ثوابت یا کرسی کہتے ہیں، ان کے یہاں نواں آسمان نہیں لیکن اہل ہند کے یہاں نواں آسمان بھی ہے جس کو وہ مہا آکاس کہتے ہیں۔

زمین: اہل ہند کے نزدیک زمین کے سات طبقات ہیں جس کو وہ سپت تال کہتے ہیں، اور وہ یہ ہیں، ۱۔ اتل، ۲۔ تبل، ۳۔ سوتل، ۴۔ تلاتل، ۵۔ مہاتل، ۶۔ رساتل، ۷۔ پاتال، اہلِ اسلام کے نزدیک بھی زمین سات ہے، کلام پاک میں ہے، اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ۔

قسمت زمین: حکما نے زمین کو سات طبقات میں تقسیم کیا ہے، جس کا نام ہفت اقلیم رکھا ہے، اہل ہند اس کو سپت دیپ کہتے ہیں اور سات پہاڑ کو سپت کلاچل کہتے ہیں جن کے نام یہ ہیں، ۱۔ سمیرو، ۲۔ سمویت، ۳۔ ہمکوت، ۴۔ ہمون، ۵۔ مکدو، ۶۔ یار جاتر، ۷۔ کیلاس، قرآن مجید میں وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا کا اشارہ ہے، اہل ہند کے نزدیک ان پہاڑوں کے اردگرد سات سمندر "سپت سمدر" ہیں جن کے نام یہ ہیں، ۱۔ نون سمدر، (کھاری سمندر) ۲۔ رس سمدر (شکر کا سمندر) ۳۔ سرا سمدر (شراب کا سمندر) ۴۔ گھرت سمدر (گھی کا سمندر) ۵۔ دودھ سمدر (دہی کا سمندر) ۶۔ کھیر سمدر (دودھ کا سمندر) ۷۔ سواد جل (نتھرے پانی کا سمندر) قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے سات سمندروں کی طرف اشارہ ملتا ہے، وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ، محققان ہند کے نزدیک جو پہاڑ، دریا اور سرزمین، زمین پہاڑ اور دریا کے اوپر ہیں، ان کو وہ سورگ (سرگ) کہتے ہیں جو بہشت اور جنت ہے اور جو زمین اور دریا زمینوں، پہاڑوں اور دریا کے نیچے ہیں وہ نرک ہے جس سے مراد دوزخ اور جہنم ہے، بہشت کی چھت کو وہ من آکاس کہتے ہیں جو عرش ہے۔

عالم برزخ کے متعلق لکھتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ (جو شخص مرا اس کے لیے قیامت آگئی) اہل ہند کے نزدیک موت کے بعد آتما یعنی روح بدن عنصری سے نکل کر بدن مکت میں داخل ہو جاتی ہے جس کو سوچھم سریر کہتے ہیں اور یہ وہ لطیف بدن ہے کہ اس میں نیک عمل سے نیک صورت اور برے عمل سے بری صورت بنتی ہے، اس سے یہ ظاہر ہے کہ سوال و جواب کے بعد اہلِ بہشت بہشت میں اور اہل دوزخ دوزخ میں جاتے ہیں۔

قیامت کو اہل اسلام قیامت کبریٰ کہتے ہیں اس کو ہند کے موحد مہا پرلی کہتے ہیں۔

مکت کے یہ معنی ہیں کہ ہلاک اور محو ہو کر ذات باری میں مل جانا، یہی بات اس آیت سے ظاہر ہوتی ہے، وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ، رضوان اکبر یعنی فردوس اعلیٰ میں داخل ہونا بہت بڑی رستگاری ہے جس کو مکت کہتے ہیں اس کی تین قسمیں ہیں، ۱۔ جیون مکت یعنی زندگی ہی میں یہ رستگاری حاصل ہو جو اس طرح ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کے

عرفان اور شناسائی کی بدولت دنیا کی ہر چیز کو ایک جانے اور تمام اعمال، افعال، حرکات اور سکنات کو چاہے وہ اچھے ہوں یا برے، حق تعالیٰ ہی کا سمجھے اور اپنے اور تمام اشیائے موجودہ کو عین حق جانے اور ہر چیز میں اللہ تعالیٰ ہی کو جلوہ گر دیکھے۔

مکت کی دوسری قسم سرب مکت ہے، جس میں ہر قسم کی قید سے رستگاری ہو جاتی ہے یعنی قیامت کبریٰ، آسمان، زمین، بہشت، دوزخ، برہمانند، دن اور رات کے فنا ہو جانے کے بعد ذات الٰہی میں گم ہو کر یہ مکت حاصل ہو جاتی ہے، قرآن کریم کی یہ آیتیں اسی طرف مشیر ہیں **وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ**۔

مکت کی تیسری قسم سربدا مکت ہے، جس میں عارف اپنے کو، دن کا وقت ہو یا رات ہو، عالم باطن ہو یا عالم ظاہر ہو، برہمانند کو دیکھتا ہو یا نہ دیکھتا ہو، خواہ ماضی یا حال یا مستقبل میں ہو، بالکل آزاد پاتا ہے اور قرآن میں جو خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا کہا گیا ہے، اس میں بہشت سے مراد جنت معرفت ہے اور اَبَدًا سے مراد اس مکت کی ابدیت ہے، عارفوں کی مزدوری فردوس اعلیٰ ہی ہے۔

یہ ساری تفصیل صباح الدین صاحب کی کتابوں بزم تیموریہ حصہ سوم اور مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری میں بھی موجود ہے۔

ابھی تک داراشکوہ کے افکار و عقائد کا معروضی اور غیر جانب دارانہ مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی، اخیر میں یہ عرض کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ اگر اس کی سعی و کوشش مذاہب کے نام پر لڑنے جھگڑنے اور تصادم اور ٹکراؤ سے روکنے اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد و یک جہتی قائم کرنے تک محدود رہتی تو غالباً اس پر کسی کو شکوہ اور اعتراض نہ ہوتا کیوں کہ

ع مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

ہندوؤں اور مسلمانوں میں بہت سے لوگ گزرے ہیں اور اب بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو اپنے اپنے عقائد میں راسخ ہونے کے ساتھ ساتھ ہندو مسلمانوں کو ایک دوسرے کا احترام کرنے کا درس دیتے ہیں، امیر خسرو کا نام اس میں خاص طور پر نمایاں ہے، حضرت مرزا مظہر

جان جاناں ہندوؤں کی بت پرستی کو اسلام سے پہلے کے عربوں کی بت پرستی سے مختلف مانتے تھے، وہ پچھلی شریعتوں کو منسوخ ماننے کے باوجود ہندوؤں کے اوتاروں کی تکفیر کے قائل نہیں تھے، قرآن مجید کی آیت **وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ** سے ان کو خیال ہوتا تھا کہ رام چندر جی اور سری کرشن ممکن ہے نبی رہے ہوں، وید کو الہامی کتاب اور ہندوؤں کو اہل کتاب سمجھتے تھے۔

ہندوؤں میں درگا داس کی کتاب مخزن الاخلاق انسانیت اور شرافت کا سبق دیتی ہے۔

لیکن داراشکوہ نے نئی یا کم از کم اسلام اور ہندو مت کو ملا کر ایک ایسا مذہب وجود میں لانا چاہا تھا جو سب کو متحد کر کے سب کو خوش رکھے لیکن تاریخ کا فیصلہ ہے کہ ایسے ملے جلے مذہب سے چند لوگوں کے سوا نہ عام لوگ خوش ہو سکتے ہیں اور نہ یہ سب کے لئے قابل قبول ہو سکتا ہے۔

نیتوں کا حال خدا جانتا ہے، مگر اس کی ہندوؤں اور عیسائیوں سے قربت و اتصال اور اس حد تک میل جول بڑھانے کو اس کی سیاسی حکمت عملی سمجھا گیا، اس کے حالات و واقعات سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سیاسی کھیل کھیلنے سے کبھی باز نہیں آیا مگر برنیر اپنے بارہ سالہ روزنامچہ میں لکھتا ہے، عیسائیوں اور ہندوؤں کے مذاہب اور عقائد کی طرف میل کرنے کے یہ جھوٹے حیلے کسی طرح اس کے منصوبوں کی کامیابی میں کارآمد اور مفید نہ ہوئے بلکہ خلاف پڑے"۔

داراشکوہ نے روحانیت اور تصوف میں اپنے بلند درجات و مراتب کا خود ہی کس قدر مبالغہ سے ذکر کیا ہے مگر کبار صوفیہ نے کبھی سلطنت و اقتدار کو پرکاہ کے برابر بھی نہیں سمجھا بلکہ ان کا عمل اس پر رہا ہے۔

نے تاج و تخت میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے ۔۔۔ جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے

وہ اس کو بھی پسند نہیں کرتے کہ اپنے اعلیٰ درجات و مراتب کے گن گائیں، منصور کا نعرہ انا الحق بھی ایک طبقے کی نظر میں تنگ ظرفی ہے۔

منصور جو ہوتا اہل نظر تو دعویٰ باطل کیوں کرتا
اس کی تو زباں کھلتی ہی نہیں جو اسرار کا محرم ہوتا ہے (اقبال سہیل)

مگر داراشکوہ بار بار اپنے درجات کی بلندی اور اپنے کاشف رموز، حامل حقائق اور محرم اسرار ہونے کا ذکر کرتا ہے، وہ اپنے شطحیات کی تائید میں جو احادیث و اقوال پیش کرتا ہے

ان میں اولاً تو توڑ مروڑ کرتا ہے ثانیاً ان میں اکثر موضوع، مجہول اور جعلی روایتیں ہیں ثالثاً ان کی جو تشریح و تفسیر کرتا ہے وہ صحت سے دور ہوتی ہے۔

۱۹۰۶ء میں ندوۃ العلماء کا سالانہ اجلاس بنارس میں منعقد ہوا، اس کی علمی نمایش گاہ میں سرِ اکبر کا نسخہ علامہ شبلی مرحوم کی نظر سے گذرا، وہ اس کا دیباچہ پڑھ کر اپنا یہ تاثر ظاہر کیے بغیر نہیں رہ سکے:۔

''عالم گیر نے دارا شکوہ کے مقابلے کا جب قصد کیا تو اس کا یہ سبب ظاہر کیا کہ دارا شکوہ بدعقیدہ اور بددین ہے، اس لئے اگر وہ ہندوستان کا فرماں روا ہوا تو ملک میں بددینی پھیل جائے گی، عام مورخوں کا خیال ہے کہ یہ محض ایک فریب تھا، نہ دارا شکوہ بے دین تھا اور نہ عالم گیر کی مخالفت کا یہ سبب تھا، دلوں کا حال خدا کو معلوم، لیکن اس کتاب کے دیباچہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دارا شکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا، اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر وہ تختِ شاہی پر متمکن ہوتا تو اسلامی شعار اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے'' (مقالات شبلی ج ۷ ص ۱۰۱)

جناب سید صباح الدین مرحوم لکھتے ہیں:

''ایک گروہ کا خیال ہے کہ اگر دارا تخت پر بیٹھتا تو مسلمانوں کی سلطنت باقی رہتی لیکن دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ دارا شکوہ کی تخت نشینی سے مسلمانوں کی حکومت تو باقی رہتی لیکن اسلام ختم ہوگیا ہوتا، اورنگ زیب کے بعد مسلمانوں کی سلطنت تو ختم ہوگئی لیکن اسلام باقی رہ گیا۔''

مراجع

۱۔ دارا شکوہ: سفینۃ الاولیاء، مطبع مدرسہ آگرہ ۱۸۵۳ء۔

۲۔ دارا شکوہ: سکینۃ الاولیاء (مترجم فضل الدین ملک) کشمیری بازار لاہور

۳۔ دارا شکوہ: سرِ اکبر (مخطوطہ دار المصنفین)

۴۔ منشی محمد کاظم: عالم گیر نامہ، کالج پریس، کلکتہ ۱۸۶۸ء

۵۔ محمد ساقی مستعد خاں: مآثر عالم گیری، کلکتہ ۱۸۷۱ء

۶۔ محمد افضل سرخوش: کلمات الشعراء، دین محمدی پریس، لاہور۔

۷۔ مولوی سید احمد ہاشمی فرید آبادی: تاریخ ہند حصہ دوم، دار الطبع جامعہ عثمانیہ سرکار عالی حیدر آباد، ۱۹۲۲ء / ۱۳۴۰ھ

۸۔ ڈاکٹر برنیر: (مترجم خلیفہ سید محمد حسین مرحوم) انٹرنیشنل پریس، کراچی ۱۹۶۰ء

۹۔ سید نجیب اشرف ندوی: مقدمہ رقعات عالم گیر معارف پریس، اعظم گڑھ ۱۹۸۱ء

۱۰۔ سید صباح الدین عبدالرحمن: بزم تیموریہ حصہ سوم طبع دوم، معارف پریس، اعظم گڑھ ۱۹۸۱ء

۱۱۔ سید صباح الدین عبدالرحمن: ہندوستان کے سلاطین علماء و مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر، معارف پریس اعظم گڑھ، ۱۹۶۴ء / ۱۳۸۴ھ

۱۲۔ سید صباح الدین عبدالرحمن: مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری جلد دوم، معارف پریس، اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء

۱۳۔ مولانا شبلی نعمانی: مقالات شبلی جلد ہفتم، معارف پریس اعظم گڑھ

۱۴۔ شیخ محمد اکرام: رود کوثر، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور ۱۹۶۸ء

۱۵۔ احمد نبی خاں: دیوان دارا شکوہ، ادارہ تحقیقات پاکستان، دانش گاہ پنجاب، لاہور

۱۶۔ خافی خاں: منتخب اللباب جلد اول کالج پریس، کلکتہ ۱۸۶۹ء

۱۷۔ دبستان المذاہب: مطبع نول کشور، کانپور، ۱۹۰۴ء

۱۸۔ عبدالحمید لاہوری: بادشاہ نامہ جلد دوم، کالج پریس، کلکتہ، ۱۸۶۷ء

۱۹۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء: ثمر ہند، لکھنؤ، ۱۸۷۳ء

☆☆☆☆

جاپان میں تبلیغ اسلام اور ہندوستانی مسلمانوں کی مساعی

از: پروفیسر ڈاکٹر محمد حسان خاں**

"گزشتہ سال راقم دو ماہ جاپان میں مقیم رہا، یہ سفر اسلامی سینٹر جاپان کے ڈائرکٹر پروفیسر صالح سامرائی اور مفتی اعظم جاپان مولانا ڈاکٹر سلیم الرحمن صاحب کی دعوت پر ہوا تھا، میں ان دونوں حضرات کا بہت شکر گزار ہوں، یہ دونوں حضرات عربی زبان وثقافت کو عام کرنے کا عظیم الشان کام انجام دے رہے ہیں، اس کے لیے اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

پروفیسر سامرائی کے علمی وتحقیقی کاموں اور خدمات کا دائرہ وسیع ہے، وہ ہمیشہ تحقیق وتلاش میں مصروف رہتے ہیں، انہیں یہ پتہ لگانے کی بھی بڑی فکر رہتی ہے کہ مختلف ملکوں میں اسلام کیسے پھیلا، جاپان میں عیسائیت کیوں نہیں پھیلی، اس پر بھی ان کا کام بڑا اہم ہے، ان کے خیال میں عیسائیوں نے اندلس کے مسلمانوں پر بڑا ظلم کیا اور آخر میں ان کو ۱۶۰۹ء میں وہاں سے نکال بھی دیا، جس کا بدلہ اللہ نے مسلمانوں کو اس طرح دیا کہ جاپان میں عیسائیت نہیں پھیل سکی"۔

سقوط غرناطہ اور امریکہ کی دریافت کے بعد اسپین و پرتگال کے عیسائیوں نے عالم اسلام عراق، ایران، افغانستان، ہند، چین، ملایا اور جزائر، انڈونیشیا، برونائی اور فلپائن وغیرہ پر اپنا قبضہ وتسلط جمانے کی کوششیں کیں اور بقول تونبی اسلامی سیلاب کو روکنے کی کوشش کے لئے فلپائن کے نئے اسلامی خطے مانیلا پر جس کا نام امان اللہ تھا حملہ کر کے وہاں کے حاکم سلطان سلیمان کو قتل کر دیا اور دوسری طرف پرتگالی مشنریوں نے اپنے زبردست جال پھیلا رکھے تھے، اور مشہور راہب فرانسوزویر Franciou Zavir پرتگال سے ہندوستان کے مغربی علاقوں اور ملائیشیا کے مغرب میں جزیرہ ملکا اور ہانگ کانگ کے پڑوس میں ماکاؤ ہوتے ہوئے جنوبی جاپان کے جزیرہ

** صدر شعبہ عربی برکت اللہ یونیورسٹی، بھوپال۔

کیوشو پہنچے، یہ ۱۵۴۳ء کا زمانہ ہے وہ درویشوں کی طرح پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس رہتے تھے، انہوں نے جاپانیوں کو عیسائیت کی دعوت دی مگر ان لوگوں نے توجہ نہ دی اس لئے وہ ماکاؤ واپس آگئے اور سرخ ریشم اور خوبصورت لمبی سونے کا بوق اپنے ساتھ لے کر دوبارہ کیوشو میں داخل ہوئے اور اسی ذریعے سے تبلیغ شروع کی۔

اس وقت جاپان تین سو (۳۰۰) صوبوں میں تقسیم تھا جن کا امیر گو خود مختار ہوتا تھا، تاہم امیر الامراء: ایدو: (ٹوکیو کا پرانا نام) میں رہتا تھا اسی کا کنٹرول اور مذہبی اقتدار تمام امرائے ریاست پر تھا، اور وہ بغاوت نہ ہونے دیتا تھا۔

فرانسز ویر نے جب جنوبی جاپان کے امرا کو تجارت اور جدید اسلحہ بیچ کر عیسائیت کی دعوت دی تو مال ودولت اور اسلحہ کی کثرت سے صوبوں کے امراء آپس میں لڑنے لگے اور بودھ اور شنٹو مذہب کا عیسائیت سے مقابلہ ہونے لگا اور بہت سے امراء نے عیسائیت قبول کر لی، ان اثرات میں اتنا اضافہ ہوا کہ شوگون دربار میں عیسائیت کی تبلیغ کا تذکرہ ہونے لگا، مورخین لکھتے ہیں اس وقت عیسائیوں کی تعداد لاکھوں ہو چکی تھی۔

جب مرکزی حکومت کو اس کا اندازہ ہوا کہ عیسائیت پھیلانے کے نام پر جاپانیوں کو لڑا بھڑا کر استعمار قائم کیا جا رہا ہے تو اس نے پہلے تبلیغ مذہب سے روکنے کی نرم تدابیر اختیار کیں، لیکن بعد میں بہت سختی سے کام لیا اور مشنریز کو نکال دیا، جاپانیوں کو جبراً عیسائیت چھوڑنے پر مجبور کیا گیا، کہا جاتا ہے کہ لکڑی کی ایک بہت بڑی صلیب بنائی گئی جس پر ۲۴ پادریوں اور عیسائیت قبول کرنے والے جاپانیوں کو پھانسی دی گئی اور پھر ان کو جلا دیا گیا اور جاپان نے اگلے دو سو سال کے لئے بیرونی لوگوں کا داخلہ اپنے ملک میں بند کر دیا اس کی وجہ سے نہ کوئی غیر ملکی جاپان میں داخل ہو سکتا تھا اور نہ کوئی جاپانی وہاں سے باہر جا سکتا تھا۔

عیسائیت کی اس ٹریجڈی کے مختلف اسباب بیان کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ جاپانی مسلمان دانش ور احمد سوزکی جنہوں نے جامعہ ازہر میں تعلیم پائی تھی اور جن کی شادی فلپائن میں ہوئی تھی بیان کرتے ہیں کہ جب اسپین کے لوگوں نے فلپائن کے سلطان کو قتل کیا تو مانیلا میں جاپانی کمیونٹی نے مرکزی حکومت کو مخفی طور سے یہ معلومات بہم پہنچائیں کہ

عیسائیت کے فروغ سے استعمار قائم ہو جائے گا۔

۲۔ فلپائن کے معاصر مورخ نے تحریر کیا ہے کہ میکسیکو کا ایک جہاز ہوا کے دباؤ سے جاپان کے ساحل کی طرف آ گیا، ایک جاپانی اس جہاز کے ناخدا سے ملا اور دریافت کیا کہ تم تھوڑے سے اسپینیوں نے کس طرح شمالی اور جنوبی امریکہ پر قبضہ کر لیا اس نے جواب دیا کہ ہم پہلے مشنریز کو تبلیغ و دعوت کے لئے بھیجتے ہیں اور بعد میں فوجیں بھیج کر ملک پر قبضہ کر لیتے ہیں، فلپائنی کو بعد میں افسوس ہوا کہ کاش وہ یہ راز افشانہ کرتا، بہرحال شدہ شدہ یہ اطلاع مرکزی جاپانی حکومت تک پہنچی اور اس نے سختی سے عیسائیت کو کچل دیا۔

شیخ سامرائی فرماتے ہیں کہ اگر عیسائیت اس وقت پھیل گئی ہوتی تو ہم کو اسلام پھیلانے کا موقع نہیں ملتا، اب ایسی کوئی بات نہیں ہے، ہم دونوں کام کر رہے ہیں، لیکن عیسائیوں کو اپنے ملکوں کی مکمل مدد اور وسائل و ذرائع کی فراوانی ہے، جاپان میں ان کی ۴۰۔۵۰ یونیورسٹیاں باقاعدہ کام کر رہی ہیں، جبکہ مسلمانوں کے پاس کچھ بھی نہیں لیکن اشاعت اسلام کے جذبہ سے سرشار ہو کر لوگ جو کام کر رہے ہیں انہیں کامیابی مل رہی ہے۔

عثمانی سلطنت اور جاپان جاپان کی ترقی کے ابتدائی دور میں جس کو MEIJI دور کہا جاتا ہے جو ۱۸۶۸ء سے شروع ہوتا ہے، اس زمانہ میں صرف دو ملک تھے، جو حقیقی طور پر آزاد تھے، جاپان اور سلطنت عثمانی لیکن دونوں پر مغربی دباؤ تھا، اس لئے دونوں نے باہم طے کیا کہ باہم تعلقات قائم کئے جائیں، عثمانی فرماں روا سلطان عبدالحمید ایک بیدار مغز خلیفہ تھے، انہوں نے ۱۸۹۰ء میں ایک بہت اہم وفد جاپان بھیجا جس میں ۶۰۰ فوجی اور افسر تھے، آل طغرل کا جو وفد جہاز کے ذریعہ آیا اس میں ترکی، عرب البانوی اور بوسنیائی شامل تھے، ان کے قائد ایڈمیرل عثمان پاشا تھے، وفد اپنا کام ختم اور قائد شہنشاہ سے ملاقات کر کے واپس آ رہا تھا کہ طوفان آیا اور تقریباً ۵۵۰ لوگ شہید ہو گئے جن میں قائد بھی شامل تھے، اس حادثہ نے دونوں ملکوں کو ہلا کر رکھ دیا، شہدا حادثہ کی جگہ پر جہاں دفن ہیں وہاں جاپان کی حکومت نے ایک میوزیم بنا دیا ہے، ہر پانچ سال بعد دونوں حکومتوں کے نمائندے وہاں تقریب کرتے ہیں، شیخ صالح سامرائی کی کھوج سے اس کا پتہ چل گیا ہے کہ جاپان میں کون شخص پہلے مسلمان ہوا، وہ تحریر کرتے ہیں کہ ”اس حادثہ

کے بعد ایک نوجوان جاپانی صحافی اور شاتارونودا نے جاپان میں ڈوبنے والے لوگوں کے لئے چندہ جمع کیا اور ساری رقم ۱۸۹۱ء میں استنبول جا کر عثمانی حکومت کے ذمہ داروں کو سونپ دیا، اس نے [illegible] عبدالحمید سے بھی ملاقات کی تھی، اسی اثناء میں انگلینڈ کے پہلے اسلام قبول کرنے والے عبداللہ کلیم سے اس نوجوان کی ملاقات بھی ہوئی جو لیورپول کے رہنے والے تھے، انہوں نے اس کو اسلام کی اچھائیاں جب بتائیں تو وہ مسلمان ہو گیا یہ وہی نوجوان تھا جس کا مسلم نام عبدالحلیم نودا رکھا گیا، اس کے بعد خلیل یامارا ۱۸۹۳ء میں مسلمان ہوئے، تیسرا شخص احمد اریجا ہے جو ۱۹۰۰ء میں بمبئی میں تجارت کرتا تھا اور عیسائی تھا، وہ ایک مسجد دیکھ کر اور اس کے ماحول سے متاثر ہو کر مسلمان ہو گیا اور اسلام کا داعی بن کر لوٹا، نیز قرآن پاک کا جاپانی زبان میں ترجمہ کیا اسی زمانہ میں ہندوستان کے چند مسلمان تاجر جاپان کے شہر ٹوکیو، یوکوہاما اور کوبے میں قیام پذیر ہوئے (۲)۔

سلطان عبدالحمید کے ایک نمائندہ محمد علی ۱۹۰۲ء میں جاپان آئے، دستاویز سے پتہ چلتا ہے کہ وہ یوکوہاما میں مسجد قائم کرنا چاہتے تھے، ۱۹۰۴ء۔۱۹۰۵ء میں روس جاپانی جنگ کے موقع پر سلطان عبدالحمید نے اپنا ایک مبعوث آفیسر برتو پاشا کو جاپان بھیجا۔ وہ دو سال جاپان میں قیام پذیر رہے اور شہنشاہ سے ملاقات کی۔

روس و جاپان کی جنگ کے بعد دنیا میں یہ خبر مشتہر ہوئی کہ ۱۹۰۶ء میں ٹوکیو میں ادیان سے متعلق ایک کانفرنس منعقد ہو رہی ہے جس میں دنیا کے تمام اہم مذاہب کے ذمہ داروں کو بلایا جا رہا ہے، لیکن مسلمانوں تک یہ خبر اس طرح پہونچی کہ جاپان میں دنیا کے ادیان کے موازنہ کی ایک میٹنگ ہو رہی ہے جس کے بعد وہاں کے لوگوں کو جو دین پسند آئے گا اسے قبول کر لیں گے، غرض یہ خبر باکو، قازان، قرم، استنبول، قاہرہ، تہران، بمبئی، دہلی، کلکتہ اور جاکرتا پہونچی، شیخ سامرائی کے خیال میں ”غالباً یہ خبر جاپانی حکومت نے اس لئے اڑائی تھی کہ مسلمان جاپان آئیں اور جاپان یورپ کے مقابلہ میں ایک اسلامی بلاک بنائے یا جاپان کا مقصد ایشیا پر قبضہ کے لیے ماحول بنانا رہا ہو جہاں کہ مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد بستی ہے، یا عیسائی مشنریز کے سیلاب کو روکنا مقصد ہو اس طرح کہ مسلمان بھی اپنی تبلیغ کریں اور دونوں ایک دوسرے کے لئے رکاوٹ بنیں، عبدالرشید ابراہیم ترکی عظیم مبلغ کی رائے ہے کہ یہ خبر عیسائیوں نے اڑائی تا کہ مسلمانوں

کوشرمندگی اٹھانا پڑے۔

بہر حال جو بھی وجہ رہی ہو دنیا بھر کے بہت مسلمانوں نے جاپان پہونچنے کی کوشش کی، ایک وفد استنبول سے دوسرا ایران سے اسی طرح مصر سے ایک ازہری عالم شیخ احمد علی جرجاوی کی قیادت میں وفد وہاں آیا، بمبئی، دہلی اور کلکتہ میں کتابیں لکھی گئیں تاکہ جاپان بھیجی جائیں، جاوا کے مفتی السید العلوی نے نیوزی لینڈ کے مسلمان عبدالرحمٰن تامسف نے انگریزی میں لٹریچر تیار کیا تاکہ کانفرنس میں پیش کیا جائے۔

پھر یہ اجتماع ۷ رمئی ۱۹۰۶ء کو ٹوکیو میں ہوا اور ادیان کے مختلف نمائندے اس میں شریک ہوئے اور یہ طے ہوا کہ تمام ادیان کو آپس میں تعاون کرنا چاہیے، جرجاوی صاحب نے جاپان کا سفرنامہ لکھا، ۱۹۰۷ء میں اس میں ساری تفصیلات لکھی ہیں، حیرت کی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان میں کتنا علمی ماحول تھا کہ ۱۹۰۸ء میں لاہور میں اس کا عربی سے اردو میں ترجمہ ہوگیا، ۱۹۰۹ء میں بڑے داعی عبدالرشید ابراہیم جن کا تعلق تاتارستان (سائبیریا) سے تھا، جاپان آئے، ان کے ہاتھ پر بعض مفکرین اور نوجوان فوجی آفیسر مسلمان ہوئے، انہوں نے چین، کوریا، ہندوستان کی بھی سیاحت کی اور تقریباً ہزار صفحے کا سفرنامہ عثمانی ترکی (جو عربی رسم الخط میں لکھی جاتی تھی) میں لکھا، ہمارے سامرائی صاحب نے عربی میں ترجمہ کرالیا ہے، عن قریب چھپنے والا ہے، سعودی سفیر برائے پاکستان مرحوم عبدالوہاب عزام فرماتے تھے کہ وہ سفرنامہ ابن بطوطہ کے سفرنامہ سے بھی زیادہ دلچسپ ہے، خدا کرے اردو میں بھی ترجمہ ہوجائے۔

جاپان کے قبول اسلام کے لئے ہندوستانی مسلمانوں کی تمنائیں

پیرس سے شائع ہونے والے فرانسیسی مجلّہ Revue Due Monde Musalman جلد اول ۱۹۰۷ء میں جاپانیوں کے اسلام سے متعلق ایک مضمون چھپا تو پروفیسر سامرائی صاحب نے اسے اپنے نوٹ کے ساتھ عربی میں شائع کیا جس میں بیسویں صدی کے ابتدائی دور کے واقعات وحالات کا بہت اچھا تجزیہ کیا گیا ہے۔

اس مقالہ اور اس کے نوٹ سے ہندوستانی مسلمانوں کی اس تمنا اور شوق کا اظہار ہوتا ہے کہ جاپان دائرہ اسلام میں جلد داخل ہوجائے، جاپان نے روس کے ساتھ اپنی جنگ ۱۹۰۴،

۱۹۰۵ء میں جو زبردست کامیابیاں حاصل کیں اس سے اسلامی ممالک میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور مظلوم و مقہور مسلم قوم کو ایسا محسوس ہوا کہ عنقریب آزادی نصیب ہونے والی ہے، اس سے جاپان کی نسبت مسلمانوں کی ایک بہتر اور ایک طرح کی مثبت سوچ بننے لگی، ہندوستان کے طلبہ، تاجر اور ماہرین صنعت بھی اس کی طرف متوجہ ہونے لگے اور کئی جمعیتوں نے چندہ جمع کرکے طلبہ کے سفر اور جاپان میں اقامت کے انتظامات کئے، (ص۔۳)۔

جریدہ روزگار نے تحریر کیا کہ ۳۳ مالدار مسلم گھرانوں کے افراد جاپان گئے، (ص ۴) اور جاپانیوں نے ان نئے آنے والوں کے لیے داخلے کے مراحل آسان کیے، ایک سمندری جہاز کلکتہ سے ٹوکیو کے درمیان جاپان۔روس جنگ ختم ہونے کے بعد چلنے لگا، کلکتہ میں مسلم ایجنٹوں نے جاپان کے ساتھ تجارت میں وسعت دی (ص۔۵) پورے عالم اسلام میں اس وقت جاپان کے سلسلہ میں ایک عجیب کیفیت اور سماں پیدا ہوگیا تھا اور اس کا سبب تھا جاپان کا روس پر فتح پانا۔

قاہرہ کا اہم اخبار المؤید لکھتا ہے: انگلینڈ اپنے ۶۰ ملین ہندی مسلمانوں کی وجہ سے جاپان کے مسلمان ہوجانے سے خوفزدہ ہے (ص۔۶) مصری مجلّہ الحرر اپنی خیالی دنیا میں کھوکر لکھتا ہے کہ جاپان کا شہنشاہ مسلم خلیفہ کی جگہ لے گا اور ٹوکیو اسلام کی راجدھانی ہوگی، غرض تمام مسلمان بہت خوش اور فخر کررہے تھے، اور دل سے چاہتے تھے کہ جاپان مسلمان ہوجائے، ذیل میں جاپان میں ہونے والی اسلام کی اشاعتی سرگرمیوں کی تفصیل پیش کی جاتی ہے، اس میں ہندوستان کے مسلمانوں اور ان کی تنظیموں کی کوششوں کا ذکر زیادہ نمایاں طور پر کیا جائے گا۔

دہلی میں شیخ رحیم الدین نے اسلامی دعوت کے موضوع پر ایک انگریزی کتاب لکھی جس کے ایک لاکھ نسخے چھپے، موصوف نے جمعیۃ العلما ہند کے جلسہ میں جاپانیوں کے اسلام میں داخل ہونے کے فوائد ذکر کرتے ہوئے متمول مسلمانوں کو اس مہم کے لئے دل کھول کر چندہ دینے کی تلقین کی، (ص۔۷)۔

ہند کی اسلامی جمعیت نے اپنے ایک اہم ممبر سید سرفراز حسین خان کو جو کہ یونیورسٹی کے سب سے عبقری طالب علم تھے، ایک دینی کانفرنس کے انعقاد اور مختلف علاقوں میں دعوت اسلامی کی اشاعت کی غرض سے جاپان بھیجا اور ان کے ساتھ ایک شخص عبدالقیوم مغانی کو بھی

روانہ کیا، اس کے علاوہ ۲۵ مسجدوں کی تعمیر کے لئے چندے بھی جمع کئے گئے، (ص۔۹)۔

جس اخبار میں یہ ساری خبریں چھپی تھیں کچھ عرصے بعد اسی میں جاپان سے شیخ حسین کا آیا ہوا یہ خط چھپا کہ وہاں ان کا بہت اچھا استقبال کیا گیا۔

شروع میں انہوں نے صرف غیر ملکی لوگوں سے رابطہ قائم کیا جن کا برتاؤ شریفانہ تھا، اس کے بعد ۳ ہزار جاپانیوں کے سامنے ڈھائی گھنٹے تک ان کا ایک لکچر ہوا، جس میں پہلے یہودیت، عیسائیت اور چینی و ہندی حکمرانوں کی بات کی، پھر دین اسلام کی وضاحت فرمائی، جس کو دلچسپی سے سنا گیا۔ اکثر اخباروں نے ان کا لکچر پورا چھاپا، یہ پروگرام ناگاساکی میں ہوا تھا، اس کے بعد شیخ حسین کوبے اور پھر راجدھانی منتقل ہوگئے، جہاں اخباروں کے مدیروں نے ملاقات کی، انہوں نے محسوس کیا کہ جاپانی اسلام کے بارے میں یورپ کے لوگوں کے ذریعہ متعارف ہوئے ہیں، تاہم انہوں نے تمام حاضرین میں اسلام کی جانب رغبت دیکھی اور وزیر نے ان سے وعدہ کیا کہ عیسائی مشنریز کی موجودگی سے کوئی فرق نہ پڑے گا، آپ لوگ اپنی مسجدیں تعمیر کریں۔

قاری سرفراز حسین صاحب عزمی

قاری صاحب علمی و ادبی حلقوں میں مشہور و مقبول تھے، وہ تبلیغ اسلام سے غیر معمولی دلچسپی رکھتے تھے، اسی وجہ سے جاپان وانگلستان تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں کو اسلام کا پیغام سنایا اور سینکڑوں خدا کے بندوں کے دلوں پر اپنے اخلاص اور اپنی صداقت کا اثر ڈالا۔

قاری صاحب کی متعدد انگریزی اور اردو تصانیف ہیں، یہاں ان کی ایک انگریزی تصنیف محاسن اسلام کے دیباچہ کا ایک حصہ درج کیا جاتا ہے، جس سے ان کے حالات پر روشنی پڑتی ہے، محاسن اسلام کے دیباچہ نگار ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی تحریر فرماتے ہیں:

"قاری سرفراز حسین امن اور اخوت کے داعی و مبلغ تھے، انہوں نے اپنے کو تبلیغ دین کے لئے وقف کر رکھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان کی خاموش اور مخلصانہ جد وجہد نے اندھیرے میں بھٹکنے والے ہزاروں نفوس کو شمع ہدایت دکھا کر سکون و اطمینان قلب بخشا۔

قاری صاحب دہلی کے مشہور و ممتاز خاندان قرا سے تعلق رکھتے ہیں، جو شاہان مغلیہ کے

درباروں میں ممتاز عہدوں پر فائز رہا اور نمایاں رسوخ حاصل تھا، قاری صاحب ۱۸۶۷ء میں دہلی میں پیدا ہوئے ۹۸۔۱۸۹۷ میں اخلاقی ناولوں کا ایک سلسلہ تصنیف کیا۔ ۱۹۰۰ء میں امریکہ کے رسالوں میں محاسن اسلام اور فلسفہ اسلام پر مضامین لکھے، دسمبر ۱۹۰۰ء میں متھرا میں مجلس مذاہب میں اسلام کی نمائندگی کی۔ ۶۔۱۹۰۵ میں وہ دنیا کے تمام مذاہب کی کانفرنس میں شرکت کرنے کے لئے جاپان تشریف لے گئے۔"

پروفیسر برکت اللہ بھوپالی

پروفیسر برکت اللہ بھوپالی مشہور اور بڑے انقلابی لیڈر تھے، جلاوطنی میں وہ ہندوستان کے وزیر اعظم تھے، اس کے علاوہ بڑے مفکر و فلسفی تھے، ان کے ذریعہ بھی یہاں جاپان میں اسلام خوب پھیلا، وہ یہاں ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۲ء تک رہ کر انگریزوں کے خلاف برابر جد وجہد کرتے رہے اور دوران قیام ٹوکیو یونیورسٹی برائے مطالعہ بیرون میں اردو شعبہ قائم کیا اور بہت سے جاپانیوں کو اردو سکھائی پھر انہوں نے ان لوگوں کو اپنے سیاسی مقصد ہندوستانی آزادی کے لیے استعمال کیا، وہ شعبہ اب بھی قائم ہے اور اس سے ۴ اساتذہ وابستہ ہیں، پاکستان سے دو سال کے لیے ایک استاذ بطور ڈیلیگیٹ بلایا جاتا ہے، ہندوستان خصوصاً بھوپال کے اردو کے اساتذہ کو کوشش کرنی چاہئے کہ ان کے ملک اور شہر کے ایک فرزند نے یہ شعبہ قائم کیا تھا، اس لئے ان کو بھی وہاں پڑھانے کا موقع ملے، اس کے لئے یہاں ٹوکیو میں اور ہند کی وزارت خارجہ میں بھی جد وجہد کرنی چاہئے، ٹوکیو میں قیام کے دوران برکت اللہ بھوپالی نے ایک بڑا اچھا پرچہ (Islamic Fraternuty) یعنی "اسلامی بھائی چارہ" ۱۹۱۰ء سے ۱۹۱۲ء تک نکالا، بقول سامرائی اس پرچہ کے ۳۲ شماروں میں اسلامی تاریخ محفوظ ہے، مگر یہ رسالہ کہیں دستیاب نہیں، سامرائی صاحب نے پوری دنیا میں کوششیں کیں اور صرف دو شمارے اب تک ملے، وہ اس پر بہت برہم ہوجاتے ہیں کہ ہندوستانی اپنے بزرگوں کی جانب بالکل توجہ نہیں دیتے۔

اسی طرح حسن ہتانو نے جو برکت اللہ بھوپالی کے ہاتھ پر اسلام لائے تھے، ۱۹۱۱ء میں 'اسلام' کے نام سے جاپانی اور انگریزی میں رسالہ نکالا لیکن اس کا ایک بھی شمارہ اب تک انہیں نہیں مل سکا، پھر انہوں نے دوسرا پرچہ (Islamic Brotherhood) ۱۹۱۸ء میں نکالا اس

کا کوئی شمارہ اب تک نہیں مل سکا۔ اس صدی کے تیسرے دہے میں جاپان کے عالم اسلامی سے تعلقات بڑے گہرے ہوئے قرآن پاک کے کئی ترجمے جاپانی زبان میں شائع ہوئے اسلامی تنظیمیں قائم ہوئیں۔

روسی مہاجرین روس کے تتار مہاجرین کیمونزم کی جہنم سے فرار ہوکر جاپان آئے تو ٹوکیو، ناگویا اور کوبے میں مقیم ہوئے، اس صدی کے چوتھے دہے میں تتار مسلمان عبدالحئی قربان علی کا نام چھایا رہا وہ اس کیمونٹی کے دینی لیڈر تھے، انہوں نے ایک پرچہ تتری زبان میں ''جاپان مخبری'' کے نام سے نکالا اور وہ قرآن پاک چھاپا جو قازان (سائبیریا) میں کیمونسٹوں سے پہلے چھپا تھا، انہوں نے یہاں بہت رسوخ حاصل کیا جس کی وجہ سے وہ ۱۹۲۸ء میں ٹوکیو میں پہلی مسجد بنانے کے قابل ہوسکے، اس مسجد کے افتتاح کے لئے سعودی عرب کے لندن میں متعینہ سفیر حافظ شریک ہونے کے لیے آئے۔

دوسرے اہم ہندوستانی مولانا پروفیسر برکت اللہ بھوپالی کے بعد ہندوستانی کی ایک اور عظیم شخصیت نور الحسن برلاس جو ۱۹۳۲ء سے ۱۹۴۹ء تک شعبہ اردو برائے بیرونی مطالعات یونیورسٹی ٹوکیو میں پروفیسر رہے، وہ مسلمانوں سے مل کر بڑا دعوتی کام کرتے تھے، جاپان کے اسلام کے بارے میں کافی لکھا، جو اس زمانہ میں ''معارف'' میں چھپا ہے۔

اسی طرح بڑے عالم اور داعی علیم اللہ صدیقی (پاکستانی دینی قائد شاہ احمد نورانی کے والد) تمام عالم میں اسلامی پیغام کو عام کرتے تھے، انہوں نے ۱۹۳۶ء میں گنٹر اقلب ٹوکیو میں اورین ہوٹل میں ''اسلام میں دعوت کی حیثیت'' پر ایک پرزور لکچر دیا تھا، اسی دہے ۱۹۳۵ء میں ہندوستان کے مسلمانوں نے کوبے میں مسجد بنائی اور تتار مسلمانوں نے ناگویا میں مسجد تعمیر کی۔

اس عرصہ میں جاپانی نومسلم مرحوم مصطفی کومورا سامنے آئے، ان کا تعلق چین کے مقبوضہ علاقہ مشرقی ترکستان اور چین کے دوسرے صوبہ یونان سے قریبی تھا، جنگ کے بعد مصطفی نے دو اسلامی تنظیمیں بنائیں اور رجسٹریشن کرالیا جو یہاں ناممکن سمجھا جاتا ہے اور انہوں نے ہزاروں طلبا پاکستان، ملائشیا اور سعودی عرب بھیجے اور ایک دوسرے نومسلم عمر یتا کے ساتھ مل کر قرآن پاک کا ترجمہ کیا اور جاپان میں اسلام کی تاریخ سے متعلق ایک انسائکلو پیڈیا مرتب کیا، سامرائی صاحب

نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کرالیا ہے، عنقریب اشاعت ہوگی، اس دہائی میں سینکڑوں جاپانی حج کو گئے، شاہ عبدالعزیز اور بعد کے حکمراں جاپانی حاجیوں کو کافی اہمیت دیتے تھے اور ان کا بہت خیال رکھتے تھے، پانچویں دہائی میں جاپان نے ایشیا کے کئی علاقوں پر قبضہ کرلیا اور اس طرح جاپانیوں کا چین، ملائشیا، انڈونیشیا، فلپائن اور برما کے مسلمانوں سے اختلاط ہوا، چنانچہ عمر یوکیبا ملائشیا میں اور مرحوم عبدالمنعم راتنایا انڈونیشیا میں اور کئی اہم لوگ ان علاقوں میں مسلمان ہوئے۔

تبلیغی جماعت اس صدی کے چھٹے دہے میں تبلیغی جماعت نے جاپان کا رخ کیا، ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۰ تک چار بار جماعتیں آئیں۔ پرانے جاپانی مسلمانوں میں دعوت کی روح پھونک دی اور متعدد دعوتی کام انجام دے اس طرح عمر یتا اور مصطفی کومورا کے علاوہ جو بہت سے داعی پیدا ہوئے ان میں عبدالکریم سامیتو، خالد کیبا، ڈاکٹر عمر کادایاتا، زکریا ناکایامی، علی موری اور امین یاماموتو کے نام اہم ہیں۔

اس مدت میں ایک قابل ذکر اور اہم داعی مرحوم عبدالرشید ارشد جو پاکستانی انجینئر تھے اور تبلیغی جماعت سے وابستہ تھے، حکومت جاپان کے وظیفہ پر ۱۹۵۹ء میں جاپان آئے، پروفیسر صالح سامرائی، ڈائرکٹر اسلامی سینٹر جاپان نے بتایا کہ عبدالرشید ارشد سے میرا تعارف مولانا علی میاں نے کرایا جب وہ لائل پور میں زراعت کالج میں زیر تعلیم تھے، (وہ اصلاً عراق کے ہیں اور بعث پارٹی کے ظلم وستم کی وجہ سے سعودی شہریت حاصل کرلی ہے، اب سعودی ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ جب عبدالرشید ارشد جاپان سے واپس لوٹے اور صالح صاحب سے رائے ونڈ کے اجتماع میں ۱۹۵۹ء میں ملاقات ہوئی تو انہوں نے مجھے جاپان جانے پر آمادہ کیا اور فرمایا'' جاپان ایک سرسبز باغ کی طرح ہے جس میں پکے پھل لگے ہیں صرف داخل ہونا اور توڑنا شرط ہے، وہ سب تمہارے جھولی میں آجائیں گے، جو جاپانی مسلمان ہوتا ہے وہ صحابہ کرامؓ سے مشابہ نظر آتا ہے۔

جاپانیوں کی بعض طبعی خصوصیات کی بنا پر ان میں تبلیغ ودعوت کا کام بہت آسان ہے، وہ مشرقی عادات واطوار کے خوگر اور نہایت متواضع ہوتے ہیں، ان کی پوری قوم میں تعصب نام کو نہیں، ایک گھر میں مسلمان عیسائی، بدھ، شنتو مذہب کے متبع رہتے ہیں اور ان میں کوئی جھگڑا نہیں ہوتا۔

اس صدی کے ساتویں دہے میں ترکی، عرب، پاکستانی ملائشین اور انڈونیشین طلبا تعلیم حاصل کرنے آئے، پروفیسر صالح سامرائی نے ۱۹۶۱ء میں ان طلباء سے مل کر مسلم طلبہ کی تنظیم باقاعدہ بنائی اور اس تنظیم نے مسلم جاپان ایسوسی ایشن سے مل کر مندرجہ ذیل کام کئے۔

۱۔ مولانا مودودی کی ''دینیات'' کا ترجمہ ''اسلام کیا ہے'' کے نام سے جاپانی میں کیا۔

۲۔ برادر فاروق ناناس نے ''جاپان میں اسلامی آواز'' کے نام سے پرچہ نکالا۔

۳۔ جاپانی نوجوانوں کو الازہر پڑھنے بھیجا۔

۴۔ دعوت پھیلانے کا کام اپنے ذمہ لیا کہ تبلیغی جماعتوں نے (ویزانہ ملنے کی وجہ سے) دورہ کرنا چھوڑ دیا۔

۵۔ طوکوشیا میں ۱۹۶۵ء میں اسلامی مرکز قائم کیا، جو صرف ایک سال رہا۔

۶۔ ٹوکیو میں اسلامی مرکز ۱۹۶۵ء میں کویت کے سفیر سے مل کر قائم کیا، ان کے جانے کے بعد مالی تعاون کا کوئی سلسلہ نہ رہا تو وہ ایک سال بعد بند ہوگیا۔

۷۔ مسلمانوں کے لئے ایک قبرستان خریدا گیا۔

شاہ فیصل مرحوم نے ۱۹۷۰ء میں جاپان کا دورہ کیا، ان سے مسلمانوں کا ایک وفد ملا اور باتوں کے علاوہ ایک اہم مطالبہ یہ کیا کہ پروفیسر صالح سامرائی کو جاپان بھیج دیا جائے (جو کچھ عرصہ جاپان میں دعوت اسلامی کا کام کرکے سعودی عرب واپس چلے گئے اور جدہ یونیورسٹی میں استاد ہوگئے ہیں، وہ دعوت و تبلیغ دین میں اس وقت بہت ممتاز ہیں، انہیں عالم اسلام کے احوال سے اتنی زیادہ واقفیت اور دلچسپی ہے کہ بلا مبالغہ انہیں علامہ شکیب ارسلان ثانی کہا جاسکتا ہے) ان کے جاپان آنے سے اسلامی دعوت کو عام کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔ شاہ فیصل مرحوم نے یہ درخواست ۱۹۷۳ء میں قبول کی۔

شاہ فیصل نے صالح سامرائی اور ۶ دیگر لوگوں کو جاپان میں ڈیلیگیٹ بنایا تاکہ اسلام کی خدمت کریں، ان حضرات نے مل کر اسلامی سینٹر قائم کیا، اتفاق سے بالکل اسی زمانہ میں پٹرول کا مسئلہ پیدا ہوگیا، جس نے جاپان کے لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ جانیں کہ اسلام کیا ہے؟ اس مرکز کا قیام تقریباً مسلمانوں کی سو سالہ تمناؤں کی تکمیل تھی، عبدالرشید ابراہیم، پروفیسر برکت اللہ

بھوپالی اور نور الحسن بڑی حسرتوں کے ساتھ لکھتے تھے کہ جاپان میں اسلام اسی وقت پھیلے گا جب یہاں مرکز اسلامی قائم ہوگا، ڈاکٹر سامرائی کی کوششوں سے ٹوکیو کے قلب میں شنجکو (صدر) کے قریب ۶ منزلہ عمارت بنام اسلامک سینٹر جاپان موجود ہے، وہ تقریباً ۳۰ سال سے نور کا مرکز ہے، اس مرکز میں بہت اچھی جاپانی جاننے والے اسلامی دعوت کا کام کررہے ہیں اور کئی کتابیں اور پمفلٹ جاپانی زبان میں اسلام سے متعلق لکھے جاچکے ہیں۔

۱۔ اس سینٹر سے ہزاروں لوگ اسلام کے دائرے میں داخل ہوئے۔

۲۔ ایک پرچہ ''السلام'' جاپانی میں سہ ماہی نکلتا ہے۔

۳۔ شمال سے جنوب تک دعوت کے کام کو پھیلا دیا، کچھ عرصہ پہلے جزیرہ ہوکائیزو میں بھی جو کہ بالکل شمال میں ہے اسلامی مرکز قائم کردیا گیا۔

۴۔ کئی جاپانی طلبہ کو مصر اور سعودی عرب عربی سیکھنے کے لئے بھیجا گیا۔

۵۔ اسلامی تنظیموں کے درمیان تعاون قائم ہوا جس کے تحت الحمد للہ اس وقت ستر تنظیمیں جاپان میں موجود ہیں۔

۶۔ ۱۹۷۷ء میں چو یونیورسٹی کے تعاون سے اسلامی شریعت کانفرنس منعقد کی۔

۷۔ کئی ثقافتی کانفرنسیں کیں جن میں ٹوکیو اور دیگر شہروں کے ہزاروں لوگ شریک ہوئے۔

۸۔ حج کے کئی وفد بھیجے، اور کئی اہم کام انجام دیئے۔

جاپان میں اسلام کو زیادہ قوت اس وقت ملی جب ہزاروں مسلمانوں نے جاپان ہجرت کی، پہلی بڑی ہجرت تاتاریوں نے سائبیریا (روس) سے کی۔ اس کے بعد یہ دوسری ہجرت اس سے بھی بڑی تھی، جب انڈونیشیا، ملائشیا، بنگلہ دیش، ہندوستان، پاکستان، سری لنکا، ایران، افغانستان، افریقہ، ترکی اور عرب سے ہزاروں لوگ روزی حاصل کرنے کے لئے یہاں آئے، اور یہاں جاپانی عورتوں سے اسلام لانے کے بعد شادیاں کیں جس کی وجہ سے اقامت کا پرمٹ مل گیا، اور بعض کو شہریت بھی مل گئی، ان کے بیٹے جاپانی قرار پائے، ان لوگوں نے مسجدیں، نماز خانے، حلال چیزوں کی دوکانیں اور حلال ریسٹورانٹ قائم کئے، ہر جگہ مسلمان جمع ہونے لگے، ۱۹۸۶ء میں زلزلہ کی وجہ سے مسجد ٹوکیو گرگئی، وہ ترکی سفارت خانہ کے قبضہ میں

شروع سے تھی، ان لوگوں نے زمین بیچ کر کچھ اور خریدنے کی کوشش کی لیکن مولانا سلیم الرحمن مفتی اعظم جاپان کے ذریعہ چلائی گئی تحریک اور مظاہروں سے یہودی کمپنی جو اس کو خرید رہی تھی اس نے انکار کردیا اور خدا نے مسجد کی جگہ ان شریر لوگوں سے بچالی۔

شیخ صالح سامرائی اور اسلامی مرکز کی کوششوں سے ملک جاپان میں ترکی کے تعاون سے عثمانی طرز تعمیر کی یہ عظیم الشان مسجد دوبارہ ۲۰۰۰ء میں قائم ہوگئی جو آج تمام مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نظروں کا مرکز بنی ہوئی ہے، کیوں کہ خوش قسمتی سے اس زمانہ میں ترکی میں اسلام پسندوں کی حکومت نجم الدین اربکان کی قیادت میں قائم تھی اور شیخ سے ان لوگوں کی ذاتی جان پہچان تھی، اس طرح ترکی نے آدھی رقم فراہم کردی اور آدھی رقم مولانا سلیم الرحمن صاحب نے خود اور دوسروں سے جمع کی تھی، قارئین اس کی مزید تفصیل کے لئے راقم کے سفرنامہ جاپان کا انتظار کریں جو جلد ہی شائع ہوگا۔

شیخ صالح سامرائی اسلام کے تعارفی پمفلٹ میں رقم طراز ہیں کہ جاپان کے مسلمانوں کی حالت عہد مکی کی طرح ہے، مسلمان شہروں میں پائے جاتے ہیں، کوئی ایمان چھپاتا ہے کوئی ظاہر کرتا ہے، آگے شیخ لکھتے ہیں کہ جاپان میں مسلمانوں کی تعداد کا کوئی صحیح اعداد وشمار پیش کرنا مشکل ہے کیوں کہ جاپان میں ۱۰۰ سے زیادہ مسلم جمعیتیں، ۱۰۰ کے قریب ہی مسجدیں یا جماعت خانے ہیں اور ان دونوں کے ذریعہ لوگ روزانہ اسلام قبول کر رہے ہیں، پھر ایک کروڑ ۷۰ لاکھ جاپانی ہر سال سیاحت پر جاتے ہیں، ان میں سے کئی جاپانی مسلمان ہوجاتے ہیں کیوں کہ وہ ہم سے ڈاک اور انٹرنٹ کے ذریعہ اسلام پر کتابیں مانگتے ہیں، جاپانی مسلمان تقریباً ایک لاکھ ہیں اور بیرونی مسلمان تقریباً ۳ لاکھ ہیں۔ (ص ۱۱)

دوسری نسل کی پریشانیاں سب سے اہم مشکل ان بچوں کو ہے جو جاپانی اور بیرونی نسلوں کے اجتماع سے پیدا ہوئے ہیں، تعلیم کی انہیں پریشانی ہے، کوئی اسلامی مدرسہ نہیں ہے اور بچوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، اگر ہم نے اسلامی تعلیم کا انتظام نہیں کیا تو یہ غیر مسلم سوسائٹی کے اختلاط سے دوبارہ مرتد ہوجائیں گے۔ پاکستانی اور بنگلہ دیشی مسلمانوں نے اپنی بیویوں اور بچوں کو اپنے ملکوں میں تعلیم وتربیت کے لئے بھیجا تو ان ملکوں اور جاپان کے درمیان جو معاشی اور

اجتماعی فرق ہے اس کی وجہ سے وہ لوگ وہاں نہ رہ سکے اس پر اصرار کیا گیا تو شادی ٹوٹ گئی، اس پریشانی کا حل ضروری ہے۔ اسلامک سینٹر پوری کوشش کر رہا ہے کہ جلد سے جلد پہلا اسلامی مدرسہ قائم ہوجائے، زمین خرید لی گئی ہے، انشاء اللہ مدرسہ جلد قائم ہوجائے گا اور پھر تمام مسلمان اس سے استفادہ کریں گے۔

شیخ نعمت اللہ بہت بزرگ داعی ہیں، اصل تعلق ترکی سے ہے اس کے بعد مکہ ومدینہ کی مساجد میں امامت کی، تبلیغی جماعت کے ساتھ اور اکیلے بھی دعوتی دورے کرتے رہتے ہیں تقریباً ۵۰ ملکوں میں جاچکے ہیں۔ سامرائی صاحب ان سے محبت کرتے ہیں اور ۴۔۵ سال سے ان کو یہاں جاپان میں ہی انہوں نے روک لیا ہے۔ ان کا ایک خاص طریقہ ہے کہ وہ اسلام سے متعلق مختصر پمفلٹ ساتھ رکھتے ہیں اور دو چار باتیں کرنے کے بعد ملاقاتی کو کلمہ پڑھا کر اس سے کہتے ہیں تم مسلمان ہوگئے، تمہارا نام اب یہ ہے ان میں سے بعض اچھے مسلمان ثابت ہوتے ہیں۔

مفتی اعظم جاپان مولانا سلیم الرحمن ندوی ان کا تعلق بھوپال کی سرزمین سے ہے، یہ مولانا سلمان صاحبؒ ندوی کے بیٹے اور دارالعلوم تاج المساجد کے موسس مولانا عمران خاں صاحب ندوی کے بھتیجے ہیں، انکی تعلیم ندوہ میں ہوئی، پھر جامعۃ الامام محمد بن سعود ریاض سے ایم اے کیا اور اب جاپان میں اسلامک سینٹر میں دعوت اسلامی کے ڈائرکٹر اور جاپان کے مفتی اعظم ہیں، اور خود اپنا کاروبار بھی کرتے ہیں اور اپنی خاندانی روایات کے مطابق کسی اسلامی ودینی خدمت کا کوئی معاوضہ قبول نہیں کرتے، فہم وبصیرت اور تدبر کے مالک ہیں، ان کے والد صاحب کی بڑی خواہش تھی کہ ان کے بچوں میں سے کوئی اچھا مدرس اور مفتی بنے اور اپنے کاموں ہی کے ساتھ اسلامی خدمت بھی انجام دے، ان کی یہ آرزو پوری ہوئی اور یہ چوؤ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں، سخاوت اور فیاضی وراثتاً ملی ہے، ہر ایک کو ان کی ذات سے فیض پہنچتا ہے، ان کے خاندان میں پہلے سے علم دین کی اشاعت، مساجد کی تعمیر وتکمیل اور افتا کی روایتیں چلی آرہی ہیں، الحمد للہ مولانا سلیم الرحمن اس روایت کے حامل ہوئے، اس وقت وہ پورے جاپان کے مفتی ہیں، ہر منٹ بلکہ ہر سکنڈ ان کا موبائل سوال کرنے والوں فتاوی اور مسائل پوچھنے والوں سے گونجتا رہتا ہے، اس وقت ان کا وجود ان کے خاندان کے لئے باعث فخر ہے۔

حوالے

(ص ۱) المسلمون فی الیابان: پروفیسر صالح سامرائی کا ایک غیر مطبوعہ مضمون

(ص ۲) الاسلام فی الیابان: پروفیسر صالح سامرائی کی تیار کردہ رپورٹ ۱۴۲۲/۲۰۰۱

(ص ۳) اللواء ۲۲/جون ۱۹۰۶ء۔ القاہرہ

(ص ۴) اللواء ۲۱/اگست ۱۹۰۶ء۔ القاہرہ

(ص ۵) الحبل المتین ۶/جون ۱۹۰۶ کلکتہ

(ص ۶) المؤید ۳۰/جون ۱۹۰۶ء۔ القاہرہ

(ص ۷) اقدام ۲۶/فروری ۱۹۰۶ء۔

(ص ۸) اقدام ۷/مارچ ۱۹۰۶ء۔

(ص ۹) اقدام ۳۰/مارچ ۱۹۰۶ء۔

(ص ۱۰) اقدام ۱۵/جون ۱۹۰۶ء۔

(ص ۱۱) ۲۰۰۱ء کی رپورٹ۔

دارالمصنفین کی تاریخ اور علمی خدمات (حصہ اول)

از: پروفیسر خورشید نعمانی صاحب

دارالمصنفین کے قیام کو ۸۸ برس ہو چکے ہیں، اس کے اور علامہ شبلیؒ کے قدر دانوں کی طرف سے تقاضا ہو رہا تھا کہ اس کی پر عظمت تاریخ، شان دار خدمات اور ولولہ انگیز کارناموں کو حیطۂ تحریر میں لایا جائے، یہ کتاب اسی غرض سے لکھی گئی ہے، یہ دو حصوں میں مکمل ہوگی، حصہ اول کے پہلے باب میں دارالمصنفین کا تخیل اور اس کے قیام کی سرگزشت، دوسرے باب میں علامہ شبلیؒ، مولانا حمید الدین فراہی اور اس کے رفقاء و منتسبین کے حالات و خدمات کی تفصیل ہے، تیسرے باب میں دارالمصنفین کی مختلف النوع علمی اور تاریخی و تحقیقی کتابوں پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ قیمت: ۱۴۰/روپے

صدر الصدور شیخ عبدالنبی اور ان کی کتاب سنن الہدی

از: ڈاکٹر صبیحہ سلطانہ خانؒ ☆

صدر الصدور شیخ عبدالنبی گنگوہیؒ (م ۹۹۰ھ/ ۱۵۸۲ء) صابریہ چشتیہ سلسلہ کے سرخیل شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م ۹۴۵ھ) کے پوتے تھے، وہ حدیث کی تعلیم کے لئے کئی مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے، اور ابن حجر الہیثمی (م ۹۷۳ھ) سے حدیث کی سند حاصل کی، احادیث کے مطالعہ کے اثر سے انہوں نے سماع ترک کر دیا تھا، جس کی تربیت خاندانی روایات کے مطابق انہیں بچپن ہی سے دی گئی تھی، کیوں کہ اس زمانے میں سماع صوفیہ کے معمولات میں داخل تھا، شیخ عبدالنبی (۱) گنگوہیؒ اکبر بادشاہ کے استاد تھے، بادشاہ کو ان سے اس قدر عقیدت ہوگئی تھی کہ اس نے اپنی حکومت میں انہیں صدر الصدور کے عہدے پر فائز کر کے تمام دینی و دنیوی امور کا مختار کل بنا دیا، وہ اس عہدۂ جلیلہ پر ۹۸۶ھ/ ۱۵۷۸ء تک فائز رہے، پھر فیضی و ابوالفضل کی ایک سازش کی وجہ سے معتوب ہوگئے، اکبر کے مذہبی فرمان یعنی "محضر نامہ" پر دستخط کرنے کے لئے شیخ عبدالنبی کو بھی مجبور کیا گیا تھا، انہوں نے آگرہ میں ۱۲ ربیع الاول ۹۹۰ھ/مارچ ۱۵۸۲ء میں وفات پائی (۲)۔

شیخ عبدالنبی گنگوہیؒ کی علمی، مذہبی اور تہذیبی خدمات کا دائرہ وسیع ہے، انہوں نے جو تصانیف یادگار چھوڑی ہیں ان میں چار قابل ذکر ہیں:

۱۔ وظائف النبی ﷺ فی الادعیۃ الماثورہ: اس کا ایک قلمی نسخہ صوفی بشیر صاحب قدوسی سجادہ نشین حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (کراچی) کے پاس موجود ہے اور اس کا دوسرا قلمی نسخہ علویہ لائبریری شکار پور (سندھ) میں بھی موجود ہے، وظائف النبی ﷺ کا ایک اور نسخہ

☆ شعبہ عربی، اے ایم یو۔ علی گڑھ

دارالمصنفین اعظم گڑھ میں بھی موجود ہے، یہ کتاب ۴۹ ابواب پر مشتمل ہے، اس میں حضور اکرم ﷺ کے معمولات وآدابِ زندگی اور اوراد قلم بند کئے گئے ہیں۔

۲۔ ''رسالہ فی ردِّ طعن القفال المروزی علی الامام ابی حنیفۃ'': اس میں قفال شاشی کے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے جو انہوں نے امام ابوحنیفہ اور علمائے احناف پر کئے تھے، اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانۂ آصفیہ حیدرآباد (دکن) میں موجود ہے۔

۳۔ ''رسالہ فی حرمۃ السماع'': یہ رسالہ اپنے والد کے رسائل ''رسالہ فی اثبات وحدۃ الوجود'' اور ''رسالہ حلت غنا'' کی تردید میں لکھا تھا۔

۴۔ سنن الہدی فی متابعۃ المصطفیٰ'': یہ شیخ کا زیادہ اہم کارنامہ ہے جو انہیں علم وادب کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رکھے گا، اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کو نہ صرف اس فن پر مکمل عبور حاصل تھا بلکہ حالات و مسائل پر بھی ان کی گرفت مضبوط تھی، معاشرت ومعیشت کا پورا خاکہ ان کے ذہن میں موجود تھا، یہ کتاب متعدد ابواب وفصول پر مشتمل ہے، جن میں دکھایا گیا ہے کہ حیات انسانی کے لیے رسول اکرم ﷺ کی احادیث بہترین لائحہ عمل ہیں، یہ کتاب بڑی کدوکاوش سے لکھی گئی اور چار برس میں مکمل ہوئی، یہ ایک مقدمہ، تین اقسام اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے، ان میں گوناگوں اور متنوع مسائل ومباحث سے تعرض کیا گیا ہے، اس سے مصنف کی عبقریت کا پتہ چلتا ہے، دراصل اس میں معاشرتی ومعاشی، دینی وسیاسی امور کے اکثر پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے اور رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کی روشنی میں اسلامی اخلاق وآداب کے تمام گوشوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کا جو مخطوطہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی آزاد لائبریری کے ''فرنگی محل کلکشن'' میں ہے وہ بہت ناقص اور صرف ''حرف الزاء'' تک ہے، اس کے علاوہ یہ کرم خوردہ وآب رسیدہ بھی ہے، اکثر مقامات پر الفاظ وعبارتیں دھندلی اور مٹی ہوئی ہیں اس لئے اس کو پڑھنا اور ربط وتسلسل قائم کرنا کسی قدر دشوار امر ہے۔

حسن اتفاق سے راقم کو اس کا ایک مطبوعہ نسخہ بھی دیکھنے کو ملا، یہ ۱۳۲۵ء میں شائع ہوا تھا، اس میں حرف سین سے حرف یا تک کا حصہ بھی شامل ہے، یہ مطبوعہ نسخہ مولانا نورالحسن راشد

کاندھلوی صاحب کی ذاتی لائبریری (کاندھلہ) میں موجود ہے، علی گڑھ نسخہ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

اوراق : ۳۴۱ — خط : خط نسخ

سطریں : ۲۱ — کاتب : شیخ محمد آصف نگرامی

سائز: cm ۲۴.۲x۱۶,۰۹x۱۷.۳ — سن کتابت: ۱۶/ذی الحجہ ۱۱۷۰ھ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کتب خانہ (''مکتبہ شبلی نعمانی'') میں سنن الہدی فی متابعۃ المصطفیٰ کا ایک قلمی نسخہ اچھی حالت میں محفوظ ہے جس کے کل اوراق ۳۵۵ ہیں، ۱۶/ذی الحجہ ۱۱۷۰ھ میں محمد آصف نگرامی نے اپنے بیٹے محمد نذیر کے لئے اس کی کتابت کی تھی، مذکورہ مخطوطہ کا ایک نسخہ رامپور کی رضا لائبریری (۳) اور پٹنہ کی خدابخش لائبریری میں بھی موجود ہے۔

یہ مخطوطہ ان احادیث پر مشتمل ہے جو آنحضرت ﷺ کے شب وروز کے عادات وخصائل سے متعلق ہیں، مصنف نے ان احادیث کو مختلف ابواب رکتب میں بیان کیا ہے، اور ہر باب کئی کئی فصلوں پر مشتمل ہے، لیکن اس طریقہ کار کی مکمل پابندی نہیں کی ہے، اس بنا پر کہیں کہیں مذکورہ عناوین کے بجائے کسی اور عنوان کے تحت احادیث ذکر کردی گئی ہیں، ذیل میں ہم ان ابواب رکتب اور ان کے ضمن میں بیان کی گئی فصلوں کے عناوین نقل کرتے ہیں اس سے اندازہ ہوگا کہ مصنف نے کس دقتِ نظر اور باریک بینی کے ساتھ ان احادیث کو مختلف عناوین کے تحت جمع کیا ہے، جس سے آنحضرت ﷺ کا ''اسوۂ حسنہ'' مکمل طور پر سامنے آجاتا ہے، اس فہرست سے اس کا بھی اندازہ ہوگا کہ مصنف نے کہاں کہاں اپنے متعین کردہ خطوط کے برخلاف دوسرے عناوین قائم کئے ہیں۔

''القسم الاول'' میں پانچ ابواب شامل ہیں اور ہر باب کئی کئی فصلوں اور فروع پر مشتمل ہے۔

''القسم الثانی'' میں پانچ کتب کو شامل کیا ہے اور ہر کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کیا ہے، پھر ہر باب مختلف فصلوں پر مشتمل ہے۔

''القسم الثالث'' میں حرف ابجد کے لحاظ سے مختلف ابواب قائم کئے ہیں اور ہر باب کو مختلف فصول وفروع کے تحت بیان کیا ہے۔

سب سے پہلے ''القسم الاول'' کا جائزہ لے کر دکھایا جائے گا کہ اس کے ہر باب میں مصنف نے کون کون سے فقہی مسائل بیان کئے ہیں۔

الباب الاول میں پانچ فصول ہیں، ان فصول میں اس کا ذکر ہے کہ حضور اکرم ﷺ سے محبت باعث ثواب ورفع درجات ہے، الباب الثانی کی تین فصول میں کتاب وسنت کی اتباع کی بحث اور سنت کے اتباع کی ترغیب اور بدعات وغیرہ پر ترہیب کا ذکر ہے، الباب الثالث میں چار فصول کو شامل کیا ہے، یہ باب علم کی اہمیت پر مشتمل ہے، الباب الرابع پانچ فصول پر مشتمل ہے، فصل دوم کے بعد دو فروع کے تحت فقہی مسائل بیان کیے ہیں جیسے صلوۃ وتسلیم کا طریقہ، اس کا فرض، واجب یا مستحب ہونا، نیز آپ ﷺ پر سلام ودرود کا ثواب وغیرہ، الباب الخامس میں ایک فصل اور ایک فرع کے تحت حضور اکرم کی قبر کی زیارت کا حکم اور اس کی فضیلت اور اس کیفیت کو بیان کیا ہے جو روضہ مبارکہ پر پہنچ کر آدمی پر طاری ہوتی ہے۔

''القسم الثانی'' میں حضور اکرم ﷺ کے وظائف، اذکار، عبادات اور تسبیحات کا ذکر ہے اور ان کی وجہ سے آپ ﷺ پر طاری ہونے والی کیفیات کا بیان ہے، اس باب میں مصنف نے پانچ کتب کو شامل کیا ہے۔

''الکتاب الاول'' میں بارہ ابواب ہیں، پہلے باب میں تین فصلیں ہیں جن میں طہارت کے مسائل تفصیل سے بیان کیے ہیں، اور وضو کی فضیلت اور اس کے آداب نیز غسل کی فضیلت پر روشنی ڈالی ہے، دوسرے باب میں صرف ایک فصل شامل ہے، اس میں گھر سے مسجد جانے، مسجد میں داخل ہونے اور مسجد سے واپسی کے آداب بیان کئے گئے ہیں، اسی طرح تیسرے باب کو بھی دوسرے باب کی طرح ایک فصل کے تحت مسجد کے آداب واذکار پر ختم کیا ہے، چوتھے باب میں بھی صرف ایک فصل کے تحت اذان کے آداب وفضیلت اور مؤذن کی اجابت پر روشنی ڈالی ہے، پانچویں باب میں پنج وقتہ نمازوں اور ان کے اوقات کا ذکر ہے، اس باب میں تین فصول ہیں، تینوں فصلوں میں نماز کے اوقات، فضائل، مستحبات ومکروہات بیان کیے گئے ہیں اور ترک جماعت یا تاخیر سے نماز ادا کرنے پر وعید کا ذکر ہے، اس سلسلے میں صلوۃ فجر کو خاص طور سے موضوع بحث بنایا ہے، چھٹے باب میں تین فصلیں ہیں، تینوں نماز کے ارکان،

وظائف اور اذکار پر مشتمل ہیں، فجر کے وظائف، ظہر کی سنتیں، عشا ومغرب اور بعد المغرب وقبل المغرب کی دو رکعتوں کے اختلافات بیان کیے گئے ہیں، ساتواں باب ایک فصل اور ایک فرع پر مشتمل ہے، یہ مکمل فصل عشاء کی نماز کے متعلق ہے جس میں وتر، دعائے قنوت اور ان سے متعلقہ احکام اور وتر کے اوقات بتائے ہیں، آٹھویں باب میں ایک فصل اور چار فروع کے تحت فقہی مسائل سے بحث ہے، نویں باب میں تین فصلیں جن میں جمعہ اور اس کی فضیلت کا بیان ہے، جمعہ کے وظائف، خطبہ اور جمعہ کی رات کے وظائف کا ذکر ہے، فروع میں مسائل کے اختلافات کا بیان ہے، اس میں قاضی خان (م ۵۹۲ھ) اور دوسرے مشائخ کے فتاویٰ بھی دیئے ہیں، دسویں باب میں فصل کا کوئی اہتمام نہیں ملتا، اسے فی صلوۃ العیدین کر کے شروع کر دیا ہے، البتہ ایک فرع ہے جس میں بعض مسائل وفضائل کا بیان ہے، گیارہویں باب میں پانچ فصول اور ایک فرع کے تحت مسائل سے بحث کی ہے، پورا باب نماز، اس کے مباحات، جماعت کی فضیلت، امام کی ذمہ داری، تسویۃ الصفوف اور ذکر القدوری پر مشتمل ہے، بارھواں باب قدرے طویل ہے اور اس میں بارہ فصول کو شامل کیا ہے اور ان فصول میں موت کے شدائد، جنازہ، میت کا غسل اور تکفین، تشیعہ میت کی نماز، میت کے دفن کرنے کا طریقہ، منکر نکیر کے سوال وجواب، عذاب قبر، قبروں کی زیارت، مرنے والوں پر صبر، ان کی تعزیت کا بیان، مریض کی عیادت اس کے لئے دعا، امراض پر صبر اور بعض امراض میں مرنے پر شہادت کا ثواب، موت کے ذکر کی ترغیب وترہیب، لمبی عمر کی تمنا وفضیلت اور حسن عمل وغیرہ کا بیان ہے۔

''الکتاب الثانی'' ''القسم الثانی'' کے تحت ہے، اس کتاب کو آٹھ فصول میں تقسیم کیا ہے اور اس میں سات فصلوں اور چار فروع کے تحت مسائل سے بحث ہے، روزے سے متعلق احکام، ماہ رمضان المبارک کی اہمیت وفضیلت رویت ہلال کا ذکر، یوم عاشورہ، ماہ رجب، ذی الحجہ، افطار و سحر، اعتکاف، لیلۃ القدر کی اہمیت وفضیلت اور بعض دوسرے مسائل کو موضوع بحث بنایا ہے۔

''الکتاب الثالث'' بھی القسم الثانی'' کے تحت ہے، اس کی سات فصلوں میں فضائل قرآن، تلاوت اور اس کے آداب اور اس کے متعلقات کو بیان کیا ہے، ان فصلوں میں حفظ قرآن کی اہمیت، اسے یاد رکھنے کا طریقہ، ختم قرآن اور سجدہ تلاوت اور اس کے مسائل سے بحث کی ہے۔

"الکتاب الرابع" میں نو فصلیں ہیں، یہ بھی "القسم الثانی" کے تحت ہی ہے، ان ساری فصلوں میں یہ بیان کیا ہے کہ اللہ سے قرب کیسے حاصل کیا جائے، الاسم الاعظم، اسماء اللہ الحسنیٰ، ذکر الٰہی، تسبیح و تحمید اور استغفار وغیرہ کا بیان ہے، "الکتاب الخامس" میں سات فصلوں کو شامل کیا ہے اور ان سبھی فصلوں میں دعا اور اس کے متعلقات کو بیان کیا ہے، دعا کی فضیلت، دعا کے ممنوعات، مستحبات، دفع بلاء اور متفرقات کو بیان کیا ہے، یہ کتاب بھی "القسم الثانی" کے تحت ہے۔

مصنف نے "القسم الثالث" کو حرف ابجد کے اعتبار سے تقسیم کیا ہے، اس کے پہلے باب میں سات فصول اور تین فروع شامل ہیں، جن میں ترتیب وار حضور اکرم ﷺ کے اسماء و صفات، پیدائش، بعثت، وفات اور والدین وغیرہ کا ذکر کیا ہے، ان ہی فصول میں کھانے پینے کے شرعی احکام پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، مصنف نے اس باب کی ابتدا فصل ذکر کے فرع سے کی ہے، پھر فصل کے تحت مسائل کا بیان ہے۔

دوسرے باب میں جس کی ابتدا حرف باء سے کی ہے، تین فصلوں اور ایک فرع کے تحت فقہی مسائل بیان کئے ہیں، ان میں اللہ کے خوف سے رونا، والدین کے ساتھ حسن سلوک، بچوں پر شفقت اور بخل مذموم کو بیان کیا ہے۔

باب حرف تاء میں چھ فصلیں شامل کی ہیں جس میں تقویٰ، توکل علی اللہ، تفکر و تدبر، تواضع و انکسار اور توبہ وغیرہ کا بیان ہے، باب حرف ثاء میں صرف ایک فصل شامل کی ہے جس میں امت مسلمہ کے ثواب و فضائل پر بحث شامل ہے۔

باب حرف الجیم میں تین فصلیں ہیں اور یہ باب جہاد اس کی فضیلت و ترغیب، شہدا کے مراتب و درجات کو بیان کرتا ہے۔

باب حرف الحاء میں آٹھ فصلیں شامل ہیں، اس باب میں حیا، اللہ سے حسن ظن، اللہ تعالیٰ سے محبت، حسن خلق، حسد کی مذمت اور حمد وغیرہ کو بیان کیا ہے۔

باب حرف الخاء میں چار فصلیں ہیں اور ان میں خوف و رجاء، خشوع و خضوع وغیرہ کا بیان ہے۔

باب حرف الدال اور حرف الذال میں قرض، قرض حسنہ، قرض کی مختلف نوعیتیں،

مختلف حالات میں قرض معاف کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

باب حرف الراء میں چار فصلیں اور ایک فرع کو شامل کیا ہے اور اس میں رویا الصالحہ اور ان کی تعبیر کا بیان ہے۔

باب حرف الزاء میں صرف ایک فصل ہے جو زہد، ترک دنیا اور اس کی مذمت، ضرر و قبح پر مشتمل ہے۔

باب حرف السین میں چار فصلیں ہیں، ان میں سفر اس کے آداب سے متعلق دعا، چوروں سے مال کی حفاظت، رات کا خوف، بھوک و پیاس، حضور اکرم ﷺ کی سفر سے واپسی اور گھر والوں کے پاس جانے سے متعلق دعاؤں کا ذکر ہے، اس کے علاوہ سحر، جادو اور نجوم وغیرہ کا بیان ہے۔

باب حرف الشین اللہ کی نعمتوں پر شکر اور اچھے اور برے اشعار اور عادات خصائل کا بیان ہے، یہ تین فصلوں اور ایک فرع پر مشتمل ہے، فرع میں رسول ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کی مذمت اور اس کی سزا بیان کی گئی ہے۔

باب حرف الصاد میں تین فصلیں ہیں، ان میں اللہ کے راستہ میں صدقہ، حقوق کی ادائیگی اور مختلف پریشانیوں پر صبر کی فضیلت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

باب حرف الضاد کی دو فصلوں میں ہنسی مذاق کی خوبی و خرابی، ضیافت، اس کے آداب و فضائل اور اکرام ضیف کا تذکرہ ہے۔

باب حرف الطاء میں پانچ فصلیں اور ایک فرع کا بیان ہے اور ان میں رزق حلال کی اہمیت اور طمع و حرص وغیرہ کی قباحت کو موضوع بحث بنایا ہے۔

باب حرف الظاء میں دو فصلوں کے تحت ظلم اور اس پر وعیدوں اور مسلمانوں کے ساتھ حسن ظن اور سوئے ظن کا ذکر ہے۔

باب حرف العین میں عار سے متعلق صرف ایک فصل میں بحث ہے۔

باب حرف الغین میں تین فصلوں کو شامل کیا ہے، ان میں غیبت، اس کی ممانعت، توبہ، زبان کی حفاظت اور ان سے متعلقات کو بیان کیا ہے۔

باب حرف الفاء کی چار فصلوں اور ایک فرع میں فقر نبوی اور اہل بیت، صحابہ کرام

مہاجرین وانصار، اخیارو، ابدال واقطاب وغیرہ کے فضائل ظہور وعلامات مہدی"، نیز سعادت و شقاوت وغیرہ کا بیان ہے۔

باب حرف القاف میں دو فصلیں ہیں، ان میں قناعت، غنا، ہدیہ اور رشوت وغیرہ کا بیان ہے۔

باب حرف الکاف میں چھ فصلیں اور ایک فرع مذکور ہے، کفریہ کلمات اور ان کے موجبات، نفاق، نجوم وسحر وغیرہ کا بیان ہے، آخری فصل مراسلہ اور اس کے آداب وختم پر مشتمل ہے۔

باب حرف الام میں دو فصلیں ہیں جو لباس مسنون اور لہو ولعب کی ممانعت اور غناء، اس کی حرمت اور اس کے آلات پر مشتمل ہے۔

باب حرف المیم میں تین فصول کو شامل کیا ہے اور ان میں معراج کا بیان ہے ۔

باب حرف النون میں تین فصول اور ایک فرع کے تحت مدد واعانت، چغل خوری، برے خصائل اور صالح نیت اور سچی عزیمت کا بیان ہے۔

باب حرف واؤ میں ورع ایمان، صبر، ایفائے عہد، سب وشتم اور بعض دوسرے امور پر روشنی ڈالی ہے، اس باب میں ایک فرع اور تین فصول ہیں۔

باب حرف الہاء میں صرف دو فصلیں ہیں، فصل فی الہویٰ اور فصل فی الہدیٰ المحترقۃ وغیرہ۔

باب حرف الیاء میں صرف ایک فصل کے تحت الیقین کا بیان ہے۔

اس کے بعد خاتمہ ہے جو نو فصول پر مشتمل ہے اور حج کے بیان میں ہے، اس میں حج کی فضیلت، حجۃ الوداع اور حج الاکبر کا ذکر، حج ترک کرنے پر وعید، انبیاء وملائکہ کے حج نیز عمرہ، طواف اور احرام، سفر کی تیاری اور سواریوں اور مکہ مدینہ کی زیارت کے فضائل اور دوسرے متفرق مسائل پر تکمیل روشنی ڈالی ہے۔

مصنف کی اس کتاب میں سیرت نبوی ﷺ کو احادیث کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، لیکن اس کی ترتیب سیرت کی مروجہ کتب کی ترتیب پر نہیں ہے، کیوں کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کے "شمائل" کو ہی سامنے رکھا گیا ہے، اس لحاظ سے صرف ان احادیث کو نقل کیا گیا ہے جو آپ ﷺ کے شب وروز کے معمولات، عادات واطوار کے متعلق ہیں۔

احادیث وروایات کے علاوہ انہوں نے متاخرین ائمہ کے اقوال بھی نقل کئے ہیں اور صحابہ کرام کی طرح تابعین عظام اور صوفیاے کبار وغیرہ کے اقوال سے بھی استفادہ کیا ہے، جیسے ابوحامد الغزالیؒ، ابراہیم بن ادہمؒ، مکحولؒ، حسن البصریؒ، رابعہ بصریہؒ، ابومالک الاشجعیؒ، ابواللیث السمرقندی، معروف الکرخیؒ، ابن المدنیؒ، فضیل بن عیاضؒ، عمادالدین الواسطی البغدادیؒ، شیخ محمد السخاوی الکرمانیؒ، البلخیؒ، زین العابدینؒ، عطاء بن یسارؒ، شیخ الاسلام ابوبکر الرازیؒ وغیرہ۔

اس مخطوطہ میں مصنف نے جن ائمہ کے مصادر سے استفادہ کیا ہے وہ ۱۹ ہیں اور ان کی فہرست حسب ذیل ہے:

امام مالک بن انسؒ (م ۹۳ھ/۱۷۹ھ) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابتؒ (م ۸۰ھ/۱۵۰)، امام ابویوسفؒ (م ۱۱۳ھ/۱۹۲)، امام احمد بن حنبلؒ (۱۶۴ھ/۲۴۱)، ابوعبداللہ محمد ابن ادریس الشافعیؒ (۱۵۰ھ/۲۰۸ھ)، ابوعبداللہ بن محمد بن ماجہؒ (۲۰۹ھ/۲۷۳ھ) ابوموسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی (۲۰۹ھ/۲۷۹ھ)، عبدالرحمن بن محمد جلال الدین السیوطیؒ (۸۴۹ھ/۹۱۱ھ)، عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی ابوالخیر ناصرالدین بیضاویؒ (۶۸۵ھ/۷۱۶ھ)، ابوجعفر احمد ابن محمد بن سلامہ بن عبدالملک طحاویؒ (۲۳۹ھ/۳۲۱ھ)، ابوجعفر محمد بن جریر طبریؒ (اوائل تیسری صدی ہجری/۳۱۰ھ) ابوبکر احمد بن الحسین البیہقیؒ (۳۸۴ھ/۴۵۸ھ) ابوالفضل عیاض بن موسیٰ قاضی عیاض معروف بہ (۴۷۶ھ/۵۴۴ھ) مجدالدین ابوالسعادات المبارک بن محمد ابن الاثیرؒ (۵۴۴ھ/۶۰۶ھ) محی الدین ابوزکریا امام النوویؒ (۶۳۱ھ/۶۷۶ھ)، فخرالدین الحسن بن منصور قاضی خان (م ۵۹۲ھ) محمد بن عبداللہ بہادر الزرکشیؒ (م ۷۴۵ھ/۷۹۴ھ) امام الاستاذ شیخ عبدالکریم ابوالقاسم القشیریؒ (م ۳۷۶ھ/۴۶۵ھ) ابومحمد اسحاق ابن ابراہیم بن ماہانؒ (م ۱۵۰ھ/۲۳۵ھ) وغیرہ

مخطوطہ کا تفصیلی جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے روایات کو جمع کرنے میں علماء کے درمیان تفریق نہیں کی ہے لہذا مشرق کے علما کے شانہ بہ شانہ مغرب کے علماء وفضلا کے اسمائے گرامی بھی جا بجا ملتے ہیں جیسے ابوعمر بن عبدالبر کا ذکر ورق ۴۳ پر آیا ہے، اسی طرح قاضی عیاضؒ کا ذکر بھی مختلف جگہوں پر ملتا ہے۔

کہیں کہیں مصنف نے نامکمل سند کا التزام کیا ہے جیسے مالک عن ابی مسعود الانصاریؓ ورق ۴۲ پر۔ کہیں کہیں راوی کا پورا نام مذکور نہیں ہے اس لئے تحقیق وتعیین میں مشکل پیش آتی ہے، جیسے خدریؓ جن کا پورا نام ابوسعید الخدریؓ ہے۔ ورق ۷۱ پر ابو لکھنے سے رہ گیا ہے اور صرف سعید خدریؓ درج ہے، اسی طرح اور بھی ادھورے نام جگہ جگہ نظر آتے ہیں مثلاً ''عبداللہ'' روایت کے سیاق وسباق سے نہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کون سے عبداللہ مراد ہیں، ورق ۳۲ پر ابو ابن کعبؓ جب کہ ''ابی'' ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کہیں کہیں راوی کے نام لکھنے میں غلطی یا کاتب سے مسامحت ہوگئی ہے۔

بعض روایتوں کے روات کے نام نہیں لکھے ہیں جیسے ورق ۸۹ پر امام صباح الخ۔ امام ابوحنیفہ کے شاگردوں (صاحبین) اور امام شافعیؒ سے بھی روایات نقل کی گئی ہیں لیکن اکثر جگہوں پر مصنف نے براہ راست اپنے استاد شیخ شہاب الدین بن حجر الہیثمی المکیؒ سے بھی استفادہ کیا ہے مثلاً:

"وسألت الشيخ هل هي ليلة المعراج قال ماصح ذلك وما ورد به نصّ وفيه حديث رجب شهر الله وشعبان شهري و رمضان شهر امتي وان رجب شهر مخصوص بالمغفرة" (ورق ۱۲۶)

اسی طرح احادیث کے ضمن میں اکثر جگہوں پر فقہا سے بھی استفادہ اور ان کے اقوال مذکور ہیں، اسی طرح درمیان میں صوفیاے کرام کے اقوال بھی آگئے ہیں۔

ایک ہی مسئلہ کے متعلق احادیث میں جو مختلف صورتیں اور نوعیتیں بیان ہوئی ہیں ان کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں مثلاً:

"وفى رواية استهلال الصبى الغطاس وفى رواية اخرى والطفل يصلى عليه وفى اخرى والسقط يصلى عليه ويدعى لوالديه بالمغفرة والرحمة" (ورق ۲۰۶)

کہیں کہیں ناموں خصوصاً عورتوں کے ناموں کی وضاحت کی گئی ہے جیسے:

حضرت سلمیٰ کے متعلق سلمیٰ خادمة النبی ﷺ ...... (ورق ۲۳۰)

یعلی سے روایت کرتے ہوئے ام سلمہ کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ آنحضرت ﷺ کی بیوی تھیں۔

"وعن يعلى أنه سأل ام سلمة زوج النبى ﷺ ...... (ورق ۳۷)

اسی طرح ایک جگہ زینب کا نام آیا تو یہ بتایا کہ

"زينب امرأة عبدالله بن مسعودؓ ...... (ورق ۲۲۸)

ان مباحث کا مفصل اس لئے ذکر کیا گیا ہے تاکہ شیخ عبدالنبی گنگوہیؒ کی زیر بحث تصنیف ''سنن الہدی فی متابعة المصطفیٰ'' کی اہمیت پوری طرح سامنے آجائے، اسے ازسرنو تحقیق وتدوین کے بعد کسی معیاری مکتبہ سے شائع کرنے اور اردو اور دوسری زبانوں میں اس کے ترجمے کرنے کی ضرورت ہے۔

حواشی

۱۔ مصنف کے حالات کے لیے دیکھئے:

I۔ شیخ عبدالقادر بدایونی، منتخب التواریخ، جلد دوم، ص: ۲۰۲، اردو گائڈ، کلکتہ۔

II۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، ص: ۹۴، تاج پرنٹرز، نئی دہلی۔

III۔ ڈاکٹر شبیر احمد قادر آبادی، عربی زبان وادب، عہد مغلیہ میں، جلد اول، ص: ۹۶ نظامی پریس، لکھنؤ۔

IV۔ سید صباح الدین عبدالرحمٰن، بزم تیموریہ، جلد اول، ص: ۴۲۰، معارف پریس، اعظم گڑھ

V۔ تذکرہ علماے ہند، مولانا رحمٰن علی، ص: ۳۲۵، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی۔

VI۔ دائرۂ معارف اسلامیہ اردو، مضمون نگار، ر، د، راشد اور ادارہ، ص: ۹۶۴، دانشگاہ پنجاب، لاہور۔

۲۔ شاہد حسین رزاقی، علم حدیث میں براعظم پاک وہند کا حصہ، ص: ۱۶۰، روبی پرنٹنگ پریس، دہلی۔

۳۔ نفس مصدر۔

اَچل پور کی وجہ تسمیہ

از: ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین ربانی ☆

شیکسپیر نے لکھا ہے "نام میں کیا رکھا ہے"۔ لیکن تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کچھ لوگوں کے لئے نام بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں، اشخاص اور شہروں کے نام ایک خاص نیت اور مقصد کے تحت رکھے جاتے ہیں اور تبدیل بھی کئے جاتے ہیں، کبھی کبھی کثرتِ استعمال یا ادائیگی کی آسانی کے پیشِ نظر کسی نام کا تلفظ خود بخود تبدیل ہو جاتا ہے یا Corrupt ہو جاتا ہے۔

پانچویں صدی عیسوی سے آج تک اچل پور شہر کا نام متعدد بار تبدیل ہوا، اس سلسلے میں اساطیری روایات، تاریخی کتب، کتبات اور سکوں کی عبارات کی روشنی میں ایک مطالعہ تاریخ میں دل چسپی رکھنے والوں کے لیے یقیناً مفید اور اہم ہوگا۔

عہد وسطی کی ریاست برار کا پایہ تخت اَچل پور کسی زمانے میں ایک بارونق شہر اور تہذیب و ثقافت کا مرکز تھا، لیکن آج وہ ایک بے رونق مقام ہے اس کی شکستہ شہر پناہ، بے شمار تاریخی عمارات اور کھنڈرات اس شہر کے درخشندہ ماضی کی کہانی سناتے ہیں، اب اچل پور ریاست مہاراشٹر کے ضلع امراوتی کی تحصیل کا صدر مقام ہے جو ۲۱° ۔ ۱۶′ عرض البلد شمالی اور ۷۷ ۔ ۴۳ طول البلد مشرقی پر واقع ہے (۱)۔ ۱۹ویں صدی عیسوی کے آغاز تک آبادی کے اضافے کی وجہ سے اچل پور اپنی پڑوس میں واقع برطانوی عہد کی فوجی چھاؤنی پرت واڑہ میں جغرافیائی اعتبار سے ضم ہوگیا، اس طرح فصیل بند اچل پور اور پرت واڑہ جڑواں شہر بن گئے، موجودہ علاقہ ودربھ میں واقع اس شہر اچل پور کی تاریخی داستان بہت طویل اور دل چسپ ہے۔

☆ اسسٹنٹ سپرینٹنڈنٹ شعبہ عربی و فارسی کتبات، محکمہ آثار قدیمہ ہند، اولڈ ہائی کورٹ بلڈنگ، ناگپور۔

اچل پور کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں ایک روایت بہت مشہور ہے جو بیشتر تاریخی کتب اور ڈسٹرکٹ گزیٹیر میں نقل کی گئی ہے جس کے مطابق اس علاقے میں نویں صدی میں جین مذہب کے پیرو راجا ایل کی حکومت تھی جو ویسوت منو کا بیٹا تھا، کہا جاتا ہے کہ راجا ایل نے اپنے دارالحکومت کے لئے ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام اپنے نام کی نسبت سے ایل پور رکھا جو اس علاقے کی مقامی بولی اور مراٹھی زبان کے اثر سے "ایل چاپور" یعنی ایل کا شہر ہوگیا، وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ نام ایلچ پور ہوگیا (۲) اس سلسلے میں تاریخ امجدی کے علاوہ کسی اور تاریخی کتاب میں اس روایت کا ذکر نہیں ملتا، یادو مادھو کاڑے نے بھی اپنی کتاب ورھاڑاچا اتھاس میں یہی روایت تاریخ امجدی کے حوالے سے لکھی ہے (۳) عہد وسطی کی اسلامی تاریخ میں البتہ اچل پور کے راجا ایل اور مشہور بزرگ شاہ عبدالرحمن غازیؒ کے درمیان ایک فیصلہ کن جنگ کا ذکر ضرور ملتا ہے جس میں ان نوجوان ولی کو شہادت نصیب ہوئی اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی چنانچہ مذکور ولی شہید اور غازی دونوں القاب سے یاد کئے جاتے ہیں (شاہ عبدالرحمن غازیؒ سلطان محمود غزنوی کے بھتیجے اور سید سالار مسعود غازیؒ بہرائچی کے ہم عصر تھے۔ (۱۰۰۱ء) میں شہادت پائی اور اچل پور میں آسودۂ خواب ہیں)۔

یہاں ایک دل چسپ تاریخی حقیقت یہ ہے کہ راجا ایل اور اس کے عہد میں مبینہ شہر کی تاسیس سے قبل اچل پور نام سے ایک گاؤں اسی جگہ موجود تھا، چوتھی صدی عیسوی میں لکھی گئی، جین مذہب کی مشہور کتاب نروان بھکتی میں اچل پور نام کی ایک جگہ کا ذکر ہے (۴) متعلقہ سنسکرت شعر اس طرح ہے:

اچل پور ورانی یادسے اسآنئی مدھی گری سھرے
اھوتیا کوڈی یونت وان۔ گیدا نامو تیسی

(ترجمہ: اچل پور کی شمال مشرق میں مدھی گری (موجودہ مکتا گری) پہاڑی واقع ہے جس پر تین کروڑ زائرین نے نجات حاصل کی۔ انہیں سلام)

اس شعر میں مذکور شہر اچل پور کے، زیر مطالعہ شہر اچل پور ہونے کی تصدیق عبارت میں دی گئی سمت سے کی جاسکتی ہے، اس سلسلے میں جہاں تک کتبات کی عبارتوں سے توثیق کا

سوال ہے، ہمیں دور بھ کے وکاٹک راجاؤں کے زمانے کی ایک تانبے کی لوح ملی ہے، جو چمک پلیٹ کے نام سے موسوم ہے، اس پلیٹ میں اچل پورہ نام کے ایک گاؤں کا ذکر ہے، دراصل وکاٹک خاندان کے راجہ پرورسین ثانی (پانچویں صدی عیسوی) کے زمانے میں چمک نامی ایک دیہات برہمنوں کو گزارے کے لیے بطور خیرات دیا گیا تھا، چمک گاؤں کا فاصلہ اچل پورہ دیہات سے ناپا گیا جو کہ مدھو (چندر بھاگہ) ندی کے کنارے پر واقع تھا، آج بھی چندر بھاگہ ندی اچل پور سے گذرتی ہے۔ اس وقت اچل پور وکاٹک حکومت کے علاقے بھوج کٹہ راشٹر (ضلع) میں واقع تھا (۵) یہ جگہ راشٹرکوٹ راجاؤں کے زمانے میں بھی اچل پور ہی کے نام سے موسوم رہی۔

جہاں تک ماہرین لسانیات (Linguists) اور ماہرین اسمائے اماکنہ (Onomastists) کی رائے کا سوال ہے وہ کہتے ہیں کہ سنسکرت سے پالی زبان میں کسی لفظ کو اپنایا جاتا ہے تو اس کے حروف آپس میں تبدیل ہو جاتے ہیں، یہی اچل پور کے ساتھ بھی ہوا یعنی چ اور ج ایک دوسرے سے بدل گئے اور اچل پور اِلچ پور ہو گیا، ٹھیک اسی طرح جس طرح وارانسی سے وانارسی (اور بعد میں بنارس) ہو گیا، مشہور زبان داں اور مورخ ڈاکٹر سید عبدالرحیم کی بھی رائے یہی ہے (۶)۔

تاریخ کے وسطی دور میں اچل پور کو ایرج پور بھی لکھا گیا ہے، اچل پور کے متوطن مورخ اور فارسی زبان کے مشہور شاعر و ادیب سید امجد حسین خطیب نے برار کی تاریخ پر اپنی کتاب تاریخ امجدی میں لکھا ہے کہ راجا کیشوراج نے ایران کے بادشاہ منوچہر بن ایرج کی مدد سے اپنا کھویا ہوا ملک راجا سام نریمان سے دوبارہ حاصل کیا تھا، اس احسان کے بدلے کیشوراج نے اپنے محسن کے باپ کے نام سے ایک شہر ایرج پور آباد کیا، اس نام کا "ر" فارسی میں آکر "ل" سے بدل گیا اور یہ شہر ایلچ پور کہلایا اور بعد میں ایلچ پور ہو گیا (۷) یہاں یہ بات صاف ہو جانی چاہئے کہ راجا کیشوراج اور راجا سام نریمان کے درمیان کسی جنگ کا ذکر تاریخ میں نہیں ملتا اور اس علاقے کی جنگ میں ایران جیسے دور دراز ملک کے بادشاہ کی مدد بعید از قیاس ہے، یہ توجیہہ محض افسانہ معلوم ہوتی ہے۔

مذکورہ بالا کتاب ہی میں ایرج پور کی ایک دوسری وجہ تسمیہ بھی بیان کی گئی ہے جو قابل قبول ہے کہ پہلے پہل برار کا علاقہ سلطان علاؤالدین خلجی کے حملے کے بعد جب مسلمانوں کے تصرف میں آیا تو ناصرالدین خسرو شاہ کے زمانے میں ایرج خاں صوبہ برار کا ناظم مقرر ہوا تھا، برار کا صدر مقام ایرج خان کے نام کی رعایت سے ایرج پور کہلاتا تھا (۸)۔ مگر دلچسپ بات یہ ہے کہ اس دور کے معاصر مورخ ضیاء الدین برنی نے اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں اس شہر کو ایلچ پور ہی لکھا ہے (۹)۔

شہر اچل پور کی فصیل میں کئی دروازے ہیں جن میں سے ایک دروازے (جیون پورہ گیٹ) پر نصب اور حال ہی میں دریافت شدہ ایک فارسی کتبے میں اس شہر کا نام الچپور لکھا ہے، یہ کتبہ گلبرگہ کے بہمنی سلطان، احمد شاہ بہمنی دوم کے عہد (۵۷-۱۴۳۴ء) کا ہے جس میں الچپور کا ذکر بحیثیت "عرصہ" (ریاست کا صدر مقام) کیا گیا ہے (۱۰) واضح رہے کہ برار بہمنی سلطنت کی چار اطراف میں سے ایک طرف (ریاست) تھا جس کا صدر مقام شہر اچل پور تھا۔

سولہویں صدی عیسوی کے مشہور صوفی بزرگ محمد غوثی شطاری مانڈوی نے اپنی فارسی کتاب گلزار ابرار میں جسے انہوں نے مانڈو میں ۱۶۱۳ء میں مکمل کیا، اچل پور کو ایرج پور لکھا ہے (۱۱)۔

مغل شہنشاہ اکبر کے زمانے میں برار مغلوں کی سلطنت کا حصہ بن گیا تھا، اکبر کے زمانے میں اچل پور میں چاندی کے سکوں کی ایک ٹکسال قائم کی گئی تھی جس میں چاندی کے روپے کے ساتھ تانبے کے فلوس بھی ڈھالے جاتے تھے۔ یہ سکے لاہور میوزیم میں آج بھی دستیاب ہیں، یہ ٹکسال شہنشاہ جہانگیر کے زمانے میں بھی قائم رہی، شہنشاہ شاہ جہاں کے عہد میں اچل پور حویلی اور پرگنے کا صدر مقام بن گیا جو سرکار گاویل (گڑھ) کے ماتحت تھے، جب شہنشاہ اورنگ زیب تخت نشین ہوا تو اچل پور کا مرتبہ بڑھ کر صوبۂ برار کے صدر مقام کا ہو گیا، مغلوں کے تمام فرامین اور دستاویزات میں اس شہر کا نام ایلچپور لکھا جاتا رہا اور اکثر بلدۂ پرنور کا لقب بھی ایلچپور سے پہلے قصداً لکھا جاتا رہا۔

کچھ برسوں کے لئے اورنگ زیب نے ایرج خان ثانی کو برار کا گورنر مقرر کیا تھا، اس

زمانے میں ایرج خان نے ایلچ پور سے اپنے نام کی صوتی قربت Phonetic Proximity کا فائدہ اٹھا کر اس شہر کا نام ایرج پور رائج کردیا، اسی لئے خافی خان نے اپنی تاریخی کتاب منتخب اللباب میں ایلچپور کو ایرج پور لکھا ہے (۱۲)۔

اخیر مغل شہنشاہوں کے زمانے میں جب علاقائی ریاستیں خودمختار ہونے لگیں تو ناگ پور کے بھونسلا راجاؤں کو بھی دہلی کے مغل شہنشاہ محمد شاہ کی طرف سے چوتھ ٹیکس وصول کرنے کے ساتھ سکے ڈھال کر جاری کرنے کے اختیارات بھی عطا ہوگئے، ان سکوں کی ایک جانب مغل شہنشاہ کا نام ہوتا اور دوسری جانب بھونسلا راجاؤں کی ٹکسال کا نام اور مخصوص نشانی ہوتی، چنانچہ اچل پور کی ٹکسال سے مسکوک شدہ یہ سکے اپنی ٹکسال کے نام کی وجہ سے 'اڑساپوری' سکے کہلاتے تھے، یہ تبدیلی مراٹھی تلفظ کی وجہ سے واقع ہوئی تھی کیوں کہ ایلچپور کا مراٹھی روپ اڑس پور تھا۔ اسی طرح ایک مراٹھی کتبے میں اس مقام کو واضح طور پر اڑس پور لکھا گیا ہے۔

جب اچل پور کا انتظام و انصرام پٹھان نسل کے پنی نوابوں کے ہاتھوں میں آیا تو انہوں نے بھی اس شہر کا نام ایلچ پور ہی باقی رکھا جیسے کہ نواب اسماعیل خاں پنی کے فارسی کتبات سے ثابت ہے۔ (۱۳) نواب اسماعیل خاں پنی کے پوتے نواب نامدار خاں پنی (۴۵-۱۸۲۴ء) نے اپنے خود کے سکے اچل پور کی ٹکسال سے ڈھال کر رائج کئے تھے، جن پر ضرب کا نام ایلچ پور بہت وضاحت سے کندہ ہے۔

حیدرآباد کے آصف جاہی حکمرانوں اور انگریزوں کے درمیان ہوئے مشہور زمانہ معاہدے کے بعد برار کا علاقہ ۱۸۵۳ء میں برطانوی انتظامیہ کے حوالے کردیا گیا۔ تب بھی یہ شہر ایلچ ہور کے نام سے ہی موسوم رہا، یہاں تک کہ آزادیٔ ہندوستان (۱۹۴۷ء) کے بعد تک اسے ایلچ پور ہی کہا جاتا رہا، ۱۹۶۰ء میں جب مہاراشٹر اور مدھیہ پردیش ریاستوں کی دوبارہ حد بندی ہوئی تو اس شہر کا نام پھر سے اچل پور کردیا گیا (۱۴) اس طرح ۱۵۰۰ برسوں کے طویل سفر کے بعد اس شہر کا اصل نام پھر سے بحال ہوگیا۔

مشہور ماہر تعلیم اور مورخ پروفیسر قاسم رضا کا خیال ہے کہ دہلی کی طرح اچل پور بار بار اجڑا اور بار بار ایک نئے نام کے ساتھ آباد ہوا، لیکن یہ بات قرین قیاس نہیں، حقیقت یہی ہے کہ

اچل پور کی آبادی اسی جغرافیائی مقام پر مسلسل قائم رہی، یہ ہوسکتا ہے کہ اس کی سیاسی حیثیت اور آبادی کے شمار میں کمی زیادتی ہوتی رہی ہو لیکن نام کی تبدیلی کی وجہ یا تو حکمرانوں کی مرضی رہی یا باشندوں کی زبان وادائیگی کی سہولت۔

مراجع ومصادر

۱۔ امپیریل ڈسٹرکٹ گزیٹر آف انڈیا، جلد ۱۲ نیا ایڈیشن (آکسفورڈ۔۱۹۰۸)

۲۔ امجد حسین خطیب، تاریخ امجدی (حیدرآباد ۱۸۷۰) ص ۲۸

۳۔ یادو مادھو کاڑے، ورھاڑاچا اتہاس (بلڈانہ۔۱۹۲۳) ص ۷۰

۴۔ انڈین اینٹی کویری جلد ۴۲ (۱۸۸۳) ص ۲۲۰، اپی گرافیا انڈکا جلد ۱۱ ص ۲۷۸، کاڑے، ایضاً ص ۷۱

۵۔ ایضاً جلد ۱۲ ص ۲۴۰، رائے بہادر ہیرالال، انسکرپشنز ان دی سنٹرل پراونسز اینڈ بیرار (ناگپور، ۱۹۳۲) ص ۱۳۹، ڈسٹرکٹ گزیٹیر امراوتی (بمبئی۔۱۹۶۸) ص ۴۔

۶۔ اپی گرافیا انڈکا جلد ۱۱ ص ۲۷۸، سید عبدالرحیم، کلمات (ناگپور۔۱۹۹۵)

۷۔ امجد۔ ایضاً۔ ص ۳۱۔

۸۔ ایضاً ص ۲۵

۹۔ ضیاء الدین برنی۔ تاریخ فیروز شاہی (کلکتہ۔۱۸۶۲) ص ۲۲۲

۱۰۔ اینول رپورٹ آن انڈین اپی گرافی فار دی ایر ۹۶-۱۹۹۵ نمبر ۳۴

۱۱۔ محمد غوثی شطاری مانڈوی۔ گلزار ابرار (قلمی مخطوطہ) فضل احمد جیوری (اردو ترجمہ) اذکار ابرار (آگرہ ۱۹۰۸) ص ۴۲۵-۵۰۹

۱۲۔ امجد، ایضاً ص ۶۶

۱۳۔ اپی گرافیا انڈکا عربک اینڈ پرشین سپلیمنٹ (دہلی ۱۹۷۵) ص ۵۹

۱۴۔ رحیم۔ ایضاً، ص ۳۲۔

مرحوم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ ایک گفتگو

از: پروفیسر عبد الرحمن مومن ☆

"علوم اسلامیہ کے شہرۂ آفاق فاضل اور نامور محقق مولانا پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نور اللہ مرقدہ نے ۱۷ دسمبر ۲۰۰۲ کو امریکہ کے شہر فلوریڈا میں داعی اجل کو لبیک کہا، اللہ تعالی انہیں غریق رحمت فرمائے اور اعلی علیین میں خاص مقام عطا فرمائے۔

راقم السطور نے ۱۹۹۴ میں ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کے لئے پیرس کا سفر کیا تھا، اور تین روز ان کی بابرکت خدمت میں گذارے تھے، جو میری زندگی کے یادگار اور بیش قیمت دنوں میں سے ہیں، وہاں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ میں نے ایک گفتگو ریکارڈ کی تھی جو ٹیپ ریکارڈ میں محفوظ ہے، اس وقت ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں یہ انٹرویو ان کی زندگی میں شائع نہیں کروں گا، اب وہ اللہ تعالی کے حضور میں پہنچ چکے ہیں، اس لیے عام استفادے کے لیے اس کو شائع کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے"۔(۱)

سوال: کل آپ نے "سیرت کا البم" نامی ایک کتاب کا ذکر کیا تھا جس کا خاکہ آپ کے ذہن میں ہے، اس کتاب میں کیا کیا چیزیں شامل ہوں گی؟

جواب: میرے ذہن میں یہ ہے کہ سیرت النبی ﷺ کے سلسلہ میں جن بڑے مقاموں کا نام آتا ہے جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف لئے گئے جیسے تبوک وغیرہ، ان مقاموں کے فوٹو جمع کروں اور انہیں مقدمہ کے ساتھ شائع کروں، علاوہ ازیں ہر تصویر کے متعلق وضاحتی نوٹ بھی دوں، جیسے یہ رسول اللہ ﷺ کی ولادت کا مقام ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں رہنے کا مقام ہے، جنگ احد کا

(۱) دو ایک جگہ ڈاکٹر صاحب کے جواب کے الفاظ ان کے مفہوم کا ساتھ نہیں دیتے جیسے تعدد ازدواج وغیرہ پر مضمون نگار نے غالباً ڈاکٹر صاحب کے احترام میں ان کو درست کرنے کی زحمت نہیں کی، ہماری ایڈیٹنگ سے مفہوم بدل جانے کا خدشہ تھا، اس لئے ہم نے بھی انہیں کو چھوڑ دینا بہتر خیال کیا۔ (معارف)

☆ صدر شعبہ عمرانیات ممبئی یونیورسٹی۔

مقام ہے وغیرہ وغیرہ، ابھی اس کو لکھا نہیں گیا ہے صرف تصویریں جمع کی ہیں، سفر میں میرے مختلف تجربے ہوئے جہاں جہاں موقع ملا میں نے فوٹو لیے، حکومت منع بھی کرتی رہی لیکن بعض وقت چھپ کے چوری چھپے لیا، بعض وقت ان کی اجازت سے بھی لیا، کافی تعداد میں فوٹو ہیں، مثلاً مکہ سے ہجرت کے لیے تشریف لے گئے، آپ کہاں سے گذرے، غار ثور وغیرہ، اس طرح کی تصویریں جمع کی ہیں، ممکن ہے سو دو سو تصویریں شامل ہوں۔

سوال: آثار بتلاتے ہیں کہ ترکی میں نئے سرے سے اسلام کی لہر اٹھ رہی ہے، خصوصاً نوجوان طلبہ اسلامی تحریک سے متاثر نظر آتے ہیں، آپ نے ترکی کو قریب سے دیکھا ہے، اس بارہ میں آپ کے کیا تاثرات ہیں؟

جواب: سوائے اس کے کہ میں اپنی خوشی کا اظہار کروں، میں اور کچھ نہیں کہہ سکتا، اندرونی اسباب بھی ہیں، بیرونی اثرات بھی ہیں۔

سوال: یورپ بالخصوص فرانس میں اسلام کی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے کیا اسباب ہیں؟ ان حالات میں تبلیغ واشاعت کے کون سے ذرائع کارآمد ہوسکتے ہیں؟

جواب: یہ خود میں پوچھتا ہوں اپنے آپ سے، کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آتی، حکومت مخالف ہے، چرچ مخالف ہے، ان کے پاس وسائل ہیں، اس کے باوجود لوگ مسلمان ہو رہے ہیں، یہ حیرت انگیز چیز ہے، سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی مہربانی ہے، اللہ کا فضل ہے، مرد بھی، عورتیں بھی، جوان بھی بوڑھے بھی، سبھی قسم کے لوگ مسلمان ہو رہے ہیں، اب یہ سوال کہ کتنے منافق اور جاسوس ہیں، اللہ بہتر جانتا ہے، چنانچہ آج کل مجھ سے ایک سوال ہوا ہے کہ کچھ عرصہ قبل بظاہر ایک فرانسیسی شخص نے جو تیس سال اسلامی ممالک میں رہا ہے، شمالی افریقہ میں، مصر میں وغیرہ، اس کے بعد ایک کتاب اس نے عربی میں لکھی، عربی کا وہ اتنا ماہر ہوگیا تھا کہ کتاب عربی میں لکھی، "**ثلاثون عاماً فی الاسلام**" لوگ (علماء) مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ کون شخص تھا، اسکی سوانح عمری وغیرہ، یہ کس زمانہ میں رہا ہوگا، میں خود تلاش کر رہا ہوں، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جاسوسی کرنے کے لئے اسلام کا اظہار اس نے کیا تھا، خاص کر نومسلموں سے لوگ نفسیاتی طور پر زیادہ محبت سے پیش آتے ہیں، تو بڑے لوگوں سے ملاقات کی اور بادشاہوں، وزرا، وغیرہ سے سیاسی نقطۂ نظر سے مفید چیزیں معلوم کیں، اب آپ

پوچھتے ہیں کہ لوگ مسلمان ہو رہے ہیں کس لئے ہو رہے ہیں، یہ تو خدا ہی بہتر جانتا ہے، واقعی خدا کے فضل سے وہ اپنے پرانے دین کو چھوڑ کر مسلمان ہو رہے ہیں، ان میں سے کچھ منافق جاسوس بھی ہو سکتے ہیں مگر یہ معلوم کرنا ممکن نہیں، وہ خدا کو معلوم، ایک چیز البتہ قابل ذکر ہے، وہ نئی نہیں ہے، غیر مسلم اسلام قبول کریں یہ بہت ہے ساری دنیا میں، چین، ایشیا، افریقہ ہر جگہ نظر آتی ہے، لیکن مسلمان مرتد ہو جائے اس کی مثالیں بہت کم ہیں، یہی چیز اب بھی ہے، فرانس میں بھی نظر آتی ہے، ایک مشہور نام ہے آپ شاید واقف ہوں، مسز میارزوِچ، وہ الحمدللہ میرے ہی ہاتھ پر مسلمان ہوئیں، ان کے قصہ سے میں واقف ہوں، وہ اسی محلہ میں رہتی تھیں، انہیں فارسی سیکھنے کا شوق ہوا، مفت کا استاد ملتا ہے تو میرے پاس آتی رہیں، کچھ عرصہ کے بعد اسلام قبول کیا، اس کے بعد ترک کر دیا، پھر دوبارہ مسلمان ہوئیں، تو ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں، ہر ایک کی سوانح عمری معلوم بھی نہیں ہو سکتی، اگر کوئی آدمی منافق ہے تو اس کے دل میں کیا ہے، یہ ہم معلوم نہیں کر سکتے، مادام میاروِچ بوڑھی ہو گئی ہیں، اب بھی زندہ ہیں، یہ مسلمان ہوئیں پچاس سال پہلے۔

سوال: وہ اب بھی اسلام پر قائم ہیں؟

جواب: جی ہاں - ایک Reaction ہے وہ یہ کہ اسلام کی ہر چیز کو لوگ پسند کرتے ہیں سوائے اس کے کہ اس میں کام بہت ہیں، پانچوں وقت نماز پڑھیں، تیس دن روزے رکھیں، اس کا کیا حل ہے، ظاہر ہے کہ کچھ نہیں کہہ سکتے، میں یہی کہتا ہوں کہ اللہ کی خدمت چوبیس گھنٹے کرتے رہنا چاہئے، وہ ہمارا مالک اور خالق ہے، اس نے ہم کو اپنی غلامی کے لئے پیدا کیا ہے، ہمیں پوچھنے کا کوئی حق نہیں ہے، ایک ابدی زندگی آنے والی ہے، اس سے محروم ہم اپنے ہاتھوں سے ہوں یہ تو کوئی عقل مندی کی بات نہیں ہے، تھوڑی سی زحمت برداشت کر لو اگر اس پر یقین ہے، اگر یقین نہیں ہے تو خیر چھوڑ دیجئے۔

عورتوں اور مردوں میں بھی اسلام کی ایک چیز پر بہت اعتراض ہے اور وہ تعددِ ازدواج ہے، عورت ظاہر ہے کہ نفسیاتی نقطۂ نظر سے شریک بنانا پسند نہیں کرتی کیوں کہ یہ اپنے قانون کے احکام کی بنا پر عادی ہیں کہ ایک بیوی سرکاری ہو، غیر سرکاری جتنی چاہو رکھ لو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، تو عورتوں سے میں کہتا ہوں کہ تم اب تک مثلاً عیسائی رہی ہو یا یہودن رہی ہو تو اپنی کتاب کو دیکھو، حضرت سلیمان کے پاس ایک ہزار بیویاں تھیں، حضرت موسیٰ کی گیارہ بیویاں تھیں، تو ان پر اگر تمہیں اعتراض

نہیں ہے تو اسلام پر بھی نہیں ہونا چاہئے، اجازت ہے ضرور لیکن دو چیزیں قابل ذکر ہیں، ایک تو یہودی اور عیسائی مذہبوں میں جو اجازت ہے وہ غیر محدود ہے، جتنی چاہے آپ بیویاں رکھ سکتے ہیں، اسلام نے تحدید قائم کی کہ چار سے زیادہ نہ ہوں، دوسری چیز جو قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ اجازت ضرور ہے لیکن اس سے استفادہ کرنے والے زیادہ نہیں ہیں، مثلاً میں اپنے خاندان کا ذکر کرتا ہوں کہ ہمارے خاندان میں کئی سو آدمی ہیں، کھاتے پیتے لوگ ہیں لیکن تعددِ ازدواج نہیں نظر آتی، اجازت کے باوجود کوئی سرکاری ممانعت نہ ہونے کے باوجود انہوں نے استفادہ نہیں کیا، یہی یہاں بھی ہوگا اور میں ان عورتوں سے کہتا ہوں کہ تم بہتر جانتی ہو اجازت نہ ہونے کے باوجود کتنے لوگ (فرانس میں) زنا کاری کے ذریعہ سے تعددِ ازدواج پر عامل ہیں، یہ میرا جواب ہے، جہاں تک میرے علم میں ہے نومسلموں میں تعددِ ازدواج کم ہی ہے، ایک مثال ملتی ہے اس طرح کی کہ کسی شادی شدہ مرد سے ہماری کسی نومسلم بہن کا پھر نکاح ہو یعنی موجودہ بیوی کے ساتھ وہ ایک نئی بیوی لیتا آئے، یہ بہر حال خرچیلی چیز ہے۔

سوال: آپ کے خیال میں کیا آج کے حالات اس کے متقاضی ہیں کہ مسجدوں میں عورتوں کے نماز پڑھنے کے لئے علحدہ حجرہ بنایا جائے؟

جواب: مسجدوں میں عورتوں کے لئے علحدہ حجرہ بنائیں خواہش تو آسان ہے لیکن اس پر عمل کے لئے پیسے چاہئیں، ایک نئے ملک میں مسجد بنانے میں بہت خرچ ہوتا ہے، اس پر اس طرح عمل کر رہے ہیں، پیرس میں مثلاً نماز کے لئے جو ہال ہے اس میں جگہ گھیر لیں جو صرف عورتوں کے لئے ہو اور وہ مسجد کے پچھلے حصہ میں ہو۔

سوال: پنج وقتہ نمازوں میں عورتیں آتی ہیں؟

جواب: غالباً کم ہی آتی ہیں، فجر کی نماز میں نہیں آتیں، ممکن ہے ظہر و عصر میں آتی ہوں، یہ اس پر منحصر ہے کہ مسجد قیام گاہ کے قریب ہو، اگر دور ہو تو وہ غالباً نہیں آسکیں گی۔

سوال: سعودی عرب اور کویت وغیرہ میں فقہی اکیڈمیاں جو کام کر رہی ہیں ان سے آپ واقف ہوں گے، کیا یہ ممکن ہے کہ ان کے دائرہ کار کو وسیع تر کرنے کی غرض سے عالمی سطح پر اس کام کا بیڑا اٹھایا جائے؟

جواب: عالم گیر بنانا چاہیں تو بنائیے، لیکن یہ کام آسان نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے لئے ساری دنیا

کی جو اکیڈمیاں ہیں یا ساری دنیا میں جو بڑے فقیہ ہیں ان کو ایک جگہ جمع کرنا آسان نہیں ہے، ہر شخص اپنے ملک میں رہ کر خدمت کر سکے گا، اپنے شہر میں رہ کر، لیکن فرانس میں بھی رہے وہ شخص جدہ میں بھی رہے، یہ آسان نہیں، پھر یہ اکیڈمی کس مقام پہ بنائی جائے؟ اس میں دشواریاں ہیں، فرض کیجیے کہ ہم مکہ میں بنائیں یا مدینہ میں بنائیں تو سعودی حکومت کی پالیسی ایسی ہے کہ اس سے بھی بعض وقت دشواریاں پیدا ہوتی ہیں، وہ اپنے خیالات کو نافذ کرنا چاہتے ہیں، یہ دشواری ہے، فقہ کی اکیڈمیوں کو مذہبوں کے اختلافات سے بالاتر رہنا چاہیے، یہ آسان نہیں ہے، کبھی کبھی مذاقاً میں کہتا ہوں کہ ماسکو میں بنائیے۔

سوال: عمومی طور پر مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہیں ان کی نوعیت کیا ہے؟ مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کو جو مسائل درپیش ہیں ازراہ کرم ان پر روشنی ڈالیں۔

جواب: مسلمانوں اور نومسلموں کے مسائل زیادہ تر سیاسی ہیں، جو قدیم زمانے سے چلے آرہے ہیں، شیعہ سنی اختلاف بھی اسی لئے ہوا، خارجی اسی لئے ہوا، سوالات ابھی تک باقی ہیں، انسان کی خواہش ہے کہ میں بڑا بنوں، اس کے لیے آپس میں اتحاد کی جگہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کی جگہ ایک دوسرے سے لڑتے ہیں، ہر جگہ یہی نظر آتا ہے، الجزائر میں ترکی میں، پاکستان میں، ہندوستان میں، ہر جگہ یہی ہے۔

سوال: آپ کی کون سی کتاب آپ کو سب سے زیادہ پسند ہے؟

جواب: ممکن ہے یہ کہوں کہ قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ یا سیرت النبی ﷺ پر جو کتاب ہے، یہ دو کتابیں زیادہ بہتر ہیں، اسلامی نقطہ نظر سے دونوں کتابیں کافی مقبول ہیں، ترجمہ بھی کافی مقبول ہے، سیرت کی کتاب کا بھی کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے اور مقبول ہے۔ الحمدللہ۔

سوال: ایک بات میں نے دیکھی کہ فرانسیسی زبان میں سیرت پر آپ کی کتاب دو جلدوں میں ہے اور انگریزی میں ایک جلد میں ہے۔

جواب: انگریزی کتاب الگ ہے، وہ الگ چیز ہے، جو فرانسیسی کتاب ہے اس کے معنی ہیں رسول اللہ ﷺ کی حیات اور کام، اس میں تبلیغ کا کام بھی، سیاسی کام بھی، دشمنوں کے حملے ہوئے تو مدافعت، جنگ وغیرہ ساری چیزیں اس میں آگئی ہیں، اس کی دو ضخیم جلدیں ہیں۔

سوال: فرانسیسی مسلمانوں میں عرب بھی ہیں، ترک بھی، افریقی بھی اور مقامی نومسلم بھی، ان میں

باہمی اخوت کا رشتہ کس حد تک ہے؟ خدا کرے ہندوستان اور پاکستان میں مسلک کے نام پر جو طوفان بدتمیزی برپا ہے وہ یہاں نہ ہو۔

جواب: الحمدللہ کوئی جھگڑے نہیں ہیں، اور شاید جھگڑے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ سیاسیات کا، الیکشن کا مسئلہ ان میں نہیں ہے، ورنہ کون سی پارٹی الیکشن میں کامیاب ہو، کون وزیراعظم بنے اس کی وجہ سے اختلافات ہو سکتے ہیں، الحمدللہ بھائی چارہ ہے، میرے علم میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو جھگڑوں کا باعث بنے، یہ بات اور ہے کہ میں سنی ہوں اور آپ شیعی ہیں تو میرے روابط کم رہیں گے، جھگڑے نہیں ہیں، لیکن روابط کم رہیں گے، باقی رنگ کا مسئلہ گورے کالے ایسا کوئی جھگڑا میرے علم میں نہیں آیا، جو مسلمان ہوتے ہیں ان میں بڑی اکثریت گوروں کی ہے، یوروپین لوگوں کی، شاذ ہی کوئی کالا شخص یا کوئی اور شخص اسلام قبول کرتا ہے، بات شاید یہ ہے کہ ملک میں گورے باشندے اکثریت میں ہیں اور ان ہی میں سے لوگ مسلمان ہوتے ہیں، جو لوگ باہر سے آتے ہیں وہ زیادہ تر گذارہ کے لئے، ملازمت کرنے اور کمانے کے لئے آتے ہیں، انہیں فرصت بھی نہیں ہوتی کہ اس پر کچھ سوچیں۔

سوال: مقامی لوگوں میں جو مسلمان ہوتے ہیں ان میں مرد زیادہ ہیں یا عورتیں؟

جواب: مرد زیادہ ہیں، عورتیں بھی ہیں، کافی ہیں، لیکن مرد زیادہ ہیں، یہ کہہ سکتے ہیں کہ نومسلم عورتیں زیادہ عالم فاضل نہیں ہوتیں، سڑک پر ایک عورت مجھے ٹوکتی ہے، کہتی ہے کہ میں نومسلم ہوں اور مجھے قرآن مجید کی تجوید سے دلچسپی ہے، تو یہ نادر چیز ہے، اس کو بھی قرآن مجید کی تجوید سے دلچسپی ہے، تفسیر سے نہیں۔

سوال: بینک کے سود کے بارہ میں آپ کے تاثرات جاننا چاہوں گا۔

جواب: مسئلہ اس لیے پیچیدہ ہے کہ اسلامی بینک نام کی چیزیں بھی ہیں، دوسری چیز جس کا مجھے خاص طور پر ذکر کرنا چاہیے کہ مجبوری ہے، مثلاً مجھے اپنی تنخواہ کی پنشن ملتی ہے، وہ راست نہیں ملتی، مجھے دفتر جا کر لینا نہیں پڑتا، میں بینک کے کھاتے کا نمبر ان کو دے دیتا ہوں، وہ خود ہی راست بھیجتے ہیں، باقی انٹرسٹ ملے، سود ملے، تو یہ ضروری نہیں کہ آپ کھائیں بھی، بینک سال کے اختتام پر آپ کی رقم کا سود بتاتی ہے کہ تمہارے لئے اتنا سود ہوا ہے، سود کی رقم لے کر خیرات کی جا سکتی ہے، اس بات کا کم ہی امکان ہے کہ ہم بینکوں سے کہیں کہ سود مت لو، وہ قائم ہی اس لئے ہوتی ہیں کہ کمائیں اور کمانے کا منشا

یہ ہے کہ مثلاً کھاتے داروں کی رقم وہ دوسروں کو قرض دیں، ہم کو بینک پانچ فیصد سود دیتی ہے اور لوگوں سے دس فیصد سود لیتی ہے، ایک طرح کی مجبوری ہے، کافی بینک ہیں، مسلمان بھی ہیں اور ان میں سعودی عرب کے بینک یا اس طرح کی اسلامی بینک بھی ہے، ایک کوآپریٹیو قسم کی بینک رباط میں شروع ہوئی، وہ بھی اب مختلف ملکوں میں پھیل رہی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ بینک سال میں جو رقم کماتی ہے وہ خود نہ لے بلکہ جو لوگ بینک میں کھاتا کھولتے ہیں وہ بھی اس میں شریک رہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر اسے نفع ہوا ہے تو نفع میں شریک رکھئے اور اگر خسارہ ہوا ہے تو خسارہ میں شریک رکھیے، تو اس میں کوئی امر مانع نہیں ہے، اسی کو کہتے ہیں مضاربت، یہ کم ہے ابھی۔

سوال: کون سے ایسے مسائل ہیں جن میں فی زماننا اجتہاد کی اشد ضرورت ہے؟

جواب: پیرس میں یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ کرایہ کے مکان میں رہنے کی جگہ مکان خریدنے کی طرف زیادہ مائل ہیں، خریدنے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے لیے کیا حل کریں، سود کے بغیر تو کوئی دے گا نہیں، اور اگر سود نہ دینا چاہیں تو کس طرح کریں، اس میں کیا کرنا چاہئے، یہ بڑا مسئلہ ہے، یہاں فرض کیجیے کہ مثلاً میں ایک کمرے میں کرایہ دار کی حیثیت سے رہتا ہوں تو یہ ممکن ہے کہ صرف اپنا کمرہ خریدوں، سارا مکان خریدنے کی مجھے ضرورت نہیں ہے، تو اپنا کمرہ خریدنے کے لئے مثلاً مجھے جس رقم کی ضرورت ہے اگر وہ فوراً دینے کی گنجائش نہ ہو بلکہ ۲۰ سال کے عرصہ میں رفتہ رفتہ اسے ادا کروں تو ظاہر ہے کہ بڑی خوشی سے یہ کام کروں گا، یہ مسئلہ بہت ہے یہاں پر، میرے ذہن میں یہ آتا ہے کہ اس کو سود کی جگہ ہم یہ کہیں کہ محاسب کی تنخواہ ہے، بینک مجھے جو قرض دیتی ہے اس کو اسی کے لیے کام کرنا پڑتا ہے، ایک رجسٹر رکھنا ہوتا ہے، ایک محاسب ہوتا ہے، ایک کنٹرولر معلوم نہیں کتنے ملازم ہوتے ہیں، تو ان ملازموں کی تنخواہ کے لیے اگر ہم زائد رقم دیتے ہیں، مثلاً ایک ہزار قرض لیا اور بارہ سو ادا کیے تو یہ جو دو سو ہیں یہ سود نہیں ہے بلکہ حساب کے مصارف ہیں جو بینکوں کو پیش آتے ہیں، یہ میرے ذہن میں آتا ہے، اور یہ میں نے دیکھا کہ بعض بینک اسے قبول کرتے ہیں، اسے انٹرسٹ نہیں کہیں گے، اسے حساب کے مصارف کہیں گے، واللہ اعلم۔

غوثی آرکاٹی

از: ڈاکٹر جاویدہ حبیب☆

جنوبی ہند کے قدیم اور قد آور شعراء اور نثر نگاروں میں سید محمد غوث غوثی آرکاٹی کو ایک منفرد اور نمایاں مقام حاصل ہے، ان کا شمار آرکاٹ کے چند بلند پایہ اور پرگو سخنوروں میں ہوتا ہے، غوثی کے تفصیلی حالات کسی تذکرے یا تاریخ میں نہیں ملتے، ان کا تعارف سب سے پہلے مولوی نصیر الدین ہاشمی نے اپنی کتاب "مدراس میں اردو" میں اس طرح کرایا ہے۔

"شاہ غوث جامی بھی آرکاٹ کے باشندے صوفی منش آدمی تھے، افسوس کہ کسی تذکرہ میں آپ کا کوئی ذکر نہیں ہے، اس طرح آپ کے حالات پردۂ خفا میں ہیں، آپ کی ایک تصنیف "ریاض مسعود" کے نام سے موجود ہے، یہ دراصل فارسی قصص الانبیا، کا نثری ترجمہ ہے، جو ۱۱۹۱ھ میں کیا گیا ہے (۱)

"مدراس میں اردو" کی اشاعت کے بعد جب انہوں نے کتب خانہ سالار جنگ کے مخطوطات کی فہرست مرتب کی تو غوثی کی ایک اور مثنوی "ریاض غوثیہ" کی وضاحت کرتے ہوئے اطلاع دی ہے کہ

"شاہ غوثی حیدر آباد کے شاعر ہیں......... دکن میں ایک اور غوثی گذرے ہیں، جن کا تعلق مدراس سے تھا اور غوث جامی سے موسوم تھے "ریاض مسعود" ان کی مثنوی بھی مشہور ہے، یہ دوسرے غوثی ہیں جن کو حیدر آباد سے تعلق تھا (۲)۔

گویا غوثی کے نام کے دو شاعر ہو گئے، ایک کا وطن حیدر آباد جن سے ہاشمی صاحب نے مثنوی "ریاض غوثیہ" منسوب کی اور دوسرے غوثی آرکاٹ کے تھے، جو "ریاض مسعود" کے

☆۲۶۶/امیر النساء بیگم اسٹریٹ، چینی - ۶۰۰۰۰۲

مصنف تھے، آگے چل کر اسی مثنوی (ریاض غوثیہ) کا ایک اور نسخہ جب انہیں کتب خانہ آصفیہ کے مخطوطات کی فہرست مرتب کرنے کے دوران ملا تو انہوں نے اس کی توضیح کرتے ہوئے لکھا:

"شاہ غوثی کو بیجاپور سے تعلق تھا (۳)۔

گویا نصیر الدین ہاشمی کے خیال میں یہ تیسرے غوثی تھے، مگر دراصل ان کو غلط فہمی ہوگئی ہے، ورنہ یہ تینوں غوثی ایک ہی شخص تھے، جو ان دونوں مثنویوں کے مصنف تھے۔

غوثی کا پورا نام سید محمد غوث تھا، آرکاٹ ان کا وطن تھا، انہوں نے حضرت ... اللہ انتر جامی (متوفی ۱۱۷۱ھ) کے دستِ مبارک پر بیعت کی تھی اور انہیں کے نام کی مناسبت سے غوث جامی کے لقب سے مشہور ہوئے (۴)۔

ڈاکٹر اثر کی اطلاع کے مطابق غوثی کے والد فصحی بھی شاعر تھے، ان کی دو تصانیف "نوبہار" اور "وفات نامہ نبی" کا پتہ چلتا ہے، اول الذکر کتاب ناپید ہے اور آخر الذکر کا ایک نسخہ کتب خانہ سالار جنگ میں محفوظ ہے (۵)۔

غوثی قدیم اردو کا ایک باکمال شاعر تھا، اس کی قادر الکلامی کا یہ حال تھا کہ اس نے "قصص الانبیاء" کے موضوع پر "ریاض مسعود" کے نام سے تین جلدوں پر مشتمل ایک ضخیم مثنوی لکھی جو تقریباً بارہ ہزار پانچ سو ابیات پر مشتمل ہے، ۱۱۹۱ھ میں تصنیف کی ہوئی یہ مثنوی صنعتی بیجاپوری کی مثنوی "خاور نامہ" کے بعد دکنی اردو کی سب سے ضخیم تصنیف ہے، قصص الانبیاء کا تاریخی نام "ریاض مسعود" ہے جس سے ۱۱۹۱ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں، غوثی نے اس مثنوی کی تاریخ تصنیف صوری اور معنوی دونوں طریقوں سے نکالی ہے۔

برس ہجری اگیارا سو اکیانو   بھرے پر یو بنا ہے نسخہ نو
ہے نام اس کا سنو جو "ریاض مسعود"   ہے تاریخ اس اسم کی بچ مشہور (۶)
۱۱۹۱ھ

جیسا کہ قصص الانبیاء نام سے ظاہر ہوتا ہے مثنوی ریاض مسعود میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے واقعات و حالات بیان کئے گئے ہیں، اس مثنوی کی پہلی جلد میں ابتدائے آفرینش حضرت آدمؑ کی پیدائش سے حضرت ایوب تک تمام پیغمبروں کے حالات درج کیے گئے ہیں، دوسری جلد میں سکندر ذوالقرنین سے حضرت عیسیٰ تک کے واقعات پیش کیے گئے ہیں اور آخری

جلد میں ختم المرسلین حضور کریم ﷺ کی سیرت طیبہ اور شمائل مطہرہ درج کیے گئے ہیں۔

اس مثنوی کے علاوہ غوثی کی درج ذیل تصانیف کا بھی پتہ چلتا ہے۔

ریاض غوثیہ (۱۱۶۹ھ)   غوثیہ (۱۱۸۸ھ)
ضیافت نامہ (۷)   تفسیر غوثی (۸)

مثنوی "ریاض غوثیہ" (۵۷۶۰) اشعار کی ایک طویل نظم ہے جس میں حضرت محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی کے سوانح اور مناقب بیان کیے گئے ہیں، یہ تصنیف دراصل "مناقب غوثیہ" نام کی ایک مثنوی کا ترجمہ ہے جو (۱۱۶۹ھ) میں منصۂ شہود پر آئی ہے، نصیر الدین ہاشمی نے "ریاض غوثیہ" کی تاریخ تصنیف ۱۱۹۱ھ بتائی ہے (۹) حالانکہ خود غوثی نے درج ذیل شعر میں اس مثنوی کی تاریخ تصنیف (۱۱۶۹ھ) بتائی ہے۔

باغ یو باغاں کوں سارے داغ ہے   اس کی تاریخ "عندلیب باغ" ہے

"عندلیب باغ" کے الفاظ سے ۱۱۶۹ھ کے اعداد برآمد ہوتے ہیں، اور یہی اس کا سال تصنیف ہے۔

غوثیہ:- حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے واقعات و مناقب پر ہے، غوثی نے یہ مثنوی ۱۱۸۸ھ میں رمضان المبارک کی ستائیس ویں شب (شب قدر) کو مکمل کی، سال تصنیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے شاعر نے لکھا ہے۔

اگیار اسو اسی اپر آٹ سال   "وروضۂ صفا" بچ گن کر نکال
۱۱۸۸ھ

ضیافت نامہ:- یہ دراصل قصیدے کی ہیئت میں لکھی ہوئی ۱۰۴ ابیات پر مشتمل ایک نظم ہے جس میں غوثی نے حضرت عثمان غنیؓ کے یہاں اور پھر خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا کے گھر حضور اکرم ﷺ کی ضیافت کا واقعہ بیان کیا ہے، اس تقریب میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے علاوہ دیگر اصحاب رسول بھی مدعو تھے (۱۰)۔

تفسیر غوثی:- "پارۂ عم" کی تفسیر ہے، اس کا شمار آرکاٹ کے قدیم ترین نثری نمونوں میں ہوتا ہے، مولوی نصیر الدین ہاشمی نے اس رسالے کی وضاحت کرتے ہوئے اطلاع دی ہے کہ:

"اس میں سورۂ عم یتساءلون سے سورۂ فاتحہ تک قرآنی آیات سرخ روشنائی سے لکھی گئی ہیں اور اس کے ساتھ مختصر الفاظ میں تشریح کی گئی ہے۔(۱۱)

غوثی کی مذکورہ تمام شعری اور نثری تصانیف ہنوز غیر مطبوعہ ہیں اور مدراس، ویلور، حیدرآباد، کراچی اور دیگر مقامات کے کتب خانوں کی زینت ہیں۔

نصیر الدین ہاشمی نے مولوی حبیب اللہ مرحوم کی ایک مملوکہ بیاض کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"غوثی کی وفات ۱۲۲۵ھ میں ہوئی اور معلی نے تاریخ وفات نکالی ہے"(۱۲)

اور بقول علیم صبا نویدی

"غوثی کا مزار آرکاٹ میں ان کے مرشد حضرت سر اللہ انتر جامی کے مزار کے روبرو ہے۔(۱۳)

حواشی

(۱) مدراس میں اردو، ادارۂ ادبیات اردو، مکتبہ ابراہیمیہ پریس، حیدرآباد، مطبوعہ ۱۹۳۸ء ص ۳۱

(۲) نصیر الدین ہاشمی، وضاحتی فہرست مخطوطات کتب خانہ سالار جنگ ص ۷۸۹۔

(۳) نصیر الدین ہاشمی، کتب خانہ آصفیہ کے اردو مخطوطات (جلد اول) ص ۸۸۔

(۴) محمد علی اثر، نوادرات تحقیق، غوثی آرکاٹی قدیم اردو کا ایک قادر الکلام سخنور ص ۱۲۔

(۵) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۳۔

(۶) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۳۔

(۷) ڈاکٹر محمد نسیم الدین فریس اٹھارہویں صدی کی دکنی شاعری کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ ص ۴۵۸

(۸) نوادرات تحقیق ص ۱۶۔

(۹) وضاحتی فہرست کتب خانہ آصفیہ (جلد اول) ص ۲۱۶۔

(۱۰) نوادرات تحقیق ص ۲۵

(۱۱) وضاحتی فہرست مخطوطات کتب خانہ آصفیہ (جلد اول) ص ۳۸۔

(۱۲) مدراس میں اردو، ص ۳۲

(۱۳) تمل ناڈو کے صاحب تصنیف علما ص ۵۴۔

اخبار علمیہ

صحت مند و توانا ہڈیوں والے افراد کے مقابلے میں آسٹیوپروسس کے شکار افراد جن میں زیادہ تر عورتیں ہیں کے متعلق امریکی طبی محققین نے دل کی بیماری کے لاحق ہونے کے زیادہ امکانات بتائے ہیں کیوں کہ ان کی باریک شریانیں دب جاتی ہیں اور ان کا منہ بند ہو جاتا ہے جب کہ ابھی تک شوگر، ہائی بلڈ پریشر اور موروثی بیماری کے سبب دل کی بیماری لاحق ہوتی تھی۔ یہ رپورٹ امریکن کالج آف کارڈیولوجی شکاگو کی پیش کردہ ہے، جہاں ڈاکٹر ہیلری بیوٹارن ولیم بیومنٹ ہاسپٹل ان رایل او یک میشیگن سے وابستہ ہیں، انہوں نے کہا کہ اس استخوانی بیماری سے متاثر مریضوں کی غیر طبعی موت کے سبب کی تلاش ہمارے مطالعہ و تحقیق کا سب اہم اور پہلا قدم ہے، ڈاکٹر ہیلری ٹارن اور ان کے ہم منصب ڈاکٹروں نے اس سے متاثر مریضوں کی تشخیص و تحقیق میں کافی عرصہ صرف کیا ہے، اور ۲۰۹ مریضوں جن میں اکثریت عورتوں کی تھی کی ہڈیوں کا معائنہ کر کے بتایا کہ ان کی شریانوں کا منہ بند ہے اور باریک خونی رگیں دبی ہوئی ہیں، اس کے سبب ان میں دل کی بیماری ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

فیلڈلفیا میں سندیا نیشنل لبریشن کے سائنسدانوں نے تھرمونیوکلر فیوزن کے ذریعہ بجلی پیدا کرنے کا ایک نیا طریقہ دریافت کیا ہے، انہوں نے ہائڈروجن گیس کے ایک کیپسول میں شعاعوں کو جمع کر کے خوب تحلیل کیا جس کے نتیجہ میں زوردار دھماکہ ہوا۔ اس تجربہ کے بعد انہوں نے کہا کہ اگر ہائڈروجن کے ایٹمس کو ہیلیم گیس (ہلکی گیس) میں شامل کیا جائے تو اس سے بجلی پیدا کی جاسکتی ہے، اس طرح سائنسدانوں نے بجلی پیدا کرنے کا یہ متبادل طریقہ ڈھونڈ نکالا ہے۔

البقرق میں سنڈیا فزکس ڈپارٹمنٹ کے منیجر ڈاکٹر جے لیپر نے امریکن فزیکل سوسائٹی کی ایک میٹنگ میں پیش کی گئی اس دریافت کے باب میں کہا کہ بجلی کی پیدائش کے ذرائع کا پتہ

لگانے کے لیے فیوزن (انضمام) کے طریقہ کا پہلی مرتبہ مشاہدہ و تجربہ کیا گیا ہے، سائنسدانوں نے کہا کہ اس میں کامیابی و ناکامی دونوں کے امکانات ہیں، واضح رہے کہ اس برقی توانائی کے حصول کا اصل مرکز سورج ہے۔

کیلیفورنیا یونیورسٹی کے سائنسی ماہرین نے مسلسل شور وغل ہونے والی جگہ میں چوہوں کو رکھ کر تجربہ کیا ہے کہ ان کے دماغ کے سننے سے متعلق حصہ کی قوت نمو ان چوہوں کے مقابلہ میں جو پرسکون اور تنہائی کی جگہوں میں ہوتے ہیں، انتہائی کم اور سست ہوتی ہے، یونیورسٹی کے ایڈورڈ ایف چانگ اور مائیکل مرزنک نے جرنل سائنس میں اپنی اس تحقیق کی تفصیل سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ چوہوں کی پیدایش کے بعد، دوتین ہفتہ تک انہیں جب مستقل پر شور جگہ پر رکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ان کی دوسری صلاحیتوں کے مقابلہ میں سماعت کی نشوونما اور ترقی بہت سست ہے اور ان چوہوں کے مقابلہ میں جن کو پرسکون جگہوں میں رکھا گیا تھا، بہرہ پن کی طرف مائل تھے، چوہوں اور انسانوں میں فرق اور دونوں کی خصوصیات الگ ہونے کے باوجود ان کے خیال میں پرشور آوازوں سے ننھے بچوں کی فہم وسماعت کسی قدر ضرور متاثر ہوتی ہے، اور رفتہ رفتہ وہ بہرے پن کا شکار ہوسکتے ہیں، انہوں نے کہا کہ نوجوانوں یا ننھے بچوں کے اس عارضہ میں مبتلا ہونے کا سب سے اہم سبب جدید صنعتی اور سائنسی ترقی کے نتیجے میں ہونے والے دھماکے ہیں۔

آک لینڈ میں لنکولن یونیورسٹی کے سائنسدانوں نے بتایا کہ کالی چائے کے مقابلہ میں دودھ والی چائے صحت کے لیے مضر نہیں ہے، کالی چائے میں آکزلیٹ کا وافر حصہ موجود رہتا ہے جو گردہ میں پتھر جمع کرنے کا سبب بنتا ہے، چائے میں دودھ کا استعمال اس اندیشہ کو ختم کرتا ہے، کیوں کہ دودھ میں کیلشیم (چونا) ہوتا ہے اور کیلشیم جسم کے فضلات اور آکزلیٹس کو باہر کرنے میں معاون ہوتا ہے۔ جیوفری سیوج نے نیوزی لینڈ، ہیرلڈ کو آگاہ کیا کہ دودھ والی یا ہری چائے صحت کے لیے کالی چائے کے مقابلے میں کم نقصان دہ ہے۔

(ماخوذ: ٹائمس آف انڈیا)

(ک، ص اصلاحی)

معارف کی ڈاک

مکتوب کناڈا

۳۰؍ مارچ ۲۰۰۳ء

محترم جناب عمیر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید اور دعا ہے کہ سب خیریت ہو۔

امریکہ سے آپ سے گفتگو ہوئی تھی، دارالمصنفین کی امداد کی خبر سے بے حد خوشی ہوئی، اللہ مبارک کرے، مولانا ضیاء الدین اور جناب عبدالمنان ہلالی صاحب کو بھی مبارک باد پیش کردیں۔

اب کمزوری بڑھتی جارہی ہے اور عمر کا بھی تقاضا ہے کہ ایسا ہی ہو، اب کی بار جب میں امریکہ میں تھا تو ہسپتال میں بطور امرجنسی داخلہ لینا پڑا تھا، ابھی تک تھوڑی تکلیف رہتی ہے۔

نقوش راہ کے لیے تمہید اور دو چھوٹے چھوٹے مضامین منسلک ہیں ان کو دیکھ کر ٹھیک کرلیں اور مناسب جگہ پر شامل کرلیں۔

میرا ارادہ ہے کہ اپنی تمام کتابیں یعنی شکوہ جواب شکوہ کا انگریزی ترجمہ، مضامین مقبول، صدائے جرس، اور نقوش راہ میں دارالمصنفین کے حوالے کردوں اور اس کی ملکیت ہوجائے جس سے دارالمصنفین کو فائدہ بھی ہوجائے اور اس کی فروخت کا انتظام بھی، آپ اس کے متعلق مولانا ضیاء الدین اور جناب عبدالمنان ہلالی صاحب سے گفتگو کرکے لکھیں، کتابیں فروخت ہوں یا یوں ہی ہر چاہنے والے کو کم داموں یا مفت دیا جاسکتا ہے۔

والسلام

مقبول احمد

ادبیات

غزل

از: جناب عبدالقدیر صاحب ☆

دو دلوں کے راز کی ترسیل کیسے ہوگئی
ایک آہٹ شور میں تبدیل کیسے ہوگئی

اس کی بو میرے بدن کو چھو کے بھی گذری نہیں
پھر مری سانسوں میں وہ تحلیل کیسے ہوگئی

اس کے آنے کی ملی تھی ایک اڑتی سی خبر
دیکھیے تو بزم دل تشکیل کیسے ہوگئی

وہ امانت جس کے لینے سے گریزاں تھے پہاڑ
وہ زمین قلب پر تنزیل کیسے ہوگئی

اس کی جانب قلب پہلے کی طرح کھنچتا نہیں
اب کشش کی ڈور میں یہ ڈھیل کیسے ہوگئی

چڑھ کے آئے تھے بڑے ہی زعم سے، پندار سے
پھر شکستِ صاحبانِ فیل کیسے ہوگئی

عشق میں اب بھی حرارت ہے وہی لیکن قدیرؔ
منجمد آنکھوں کی گہری جھیل کیسے ہوگئی

غزل

از: جناب اقبال ردولوی صاحب ☆☆

شہرہ نئی بہار کا کیا کیا سنا نہ تھا
دیکھا تو باغ میں کوئی پتا ہرا نہ تھا

کیا جانے کیا غریب پہ افتاد پڑ گئی
وہ شخص تو خدا کی قسم بے وفا نہ تھا

جس حادثے نے ہوش ہمارے اڑا دیے
کہتے ہیں لوگ وہ تو کوئی حادثہ نہ تھا

سب لوگ تیرے شہر میں پتھر کے بن گئے
ہم کس سے بات کرتے کوئی بولتا نہ تھا

بس حرف حق زباں سے نکلنے کی دیر تھی
پھر شہر میں ہمارا کوئی آشنا نہ تھا

☆ ایڈوکیٹ الہ آباد ہائی کورٹ، ڈی ۹۰۹ کریلی کالونی، الہ آباد ☆☆ درگاہ ردولی، فیض آباد۔

مطبوعات جدیدہ

قرآن حکیم: (مع ترجمہ اخذ و تلخیص، تفسیر تدبر قرآن) ترجمہ مولانا امین احسن اصلاحیؒ اخذ و تلخیص جناب خالد مسعود صاحب اوسط قرآن مجید سائز کاغذ و کتابت و طباعت اچھی، صفحات ۹۹۲ مجلد ہدیہ: ۵۵۰/روپئے پتہ: فاران فاؤنڈیشن ۱۲۲، فیروز پور روڈ اچھرہ، لاہور، پاکستان۔

مولانا امین احسن اصلاحی بیسویں صدی کے مشہور عالم، قرآنیات کے ماہر اور ترجمان القرآن مولانا حمید الدین فراہیؒ کے ممتاز شاگرد تھے، اپنے استاذ کے علوم و معارف کی نشر و اشاعت کے علاوہ خود انہوں نے بلند پایہ تصانیف یادگار چھوڑی ہیں، جن میں سب سے مہتم بالشان ان کی اردو تفسیر تدبر قرآن ہے جو نو ضخیم جلدوں میں ہے، اور جس کے کئی اڈیشن ہندوستان و پاکستان میں نکلے ہیں، یہ تفسیر ان کے مطالعہ و تدبر فی القرآن کا نچوڑ ہے جس میں ان کے اور ان کے استاذ کے صد سالہ نتائج فکر شامل ہیں، یہ اپنے بعض امتیازات و خصوصیات کی بنا پر اردو کی ایک منفرد تفسیر خیال کی جاتی ہے، اردو کی عام تفسیروں کی طرح اس میں بھی قرآن مجید کا اصل متن اور اس کا اردو ترجمہ شامل ہے، ترجمہ قرآن مجید کے الفاظ و اسالیب سے قریب ترین سلیس با محاورہ اور سیاق و سباق کی رعایت کی بنا پر موزوں پیراگراف کی صورت میں کیا گیا ہے اور محذوفات کو کھول بھی دیا گیا ہے، جس کی بنا پر وہ بھی تفسیر ہی کی طرح اہمیت کا حامل ہے مگر طویل و ضخیم تفسیر کے ساتھ مخلوط و ممزوج ہو جانے کی بنا پر اس سے خاطر خواہ استفادہ دشوار تھا اس لیے جناب خالد مسعود صاحب نے ترجمہ کو تفسیر سے الگ متن قرآن کے ساتھ شائع کیا ہے جس میں ہر آیت کے نمبر شمار کو متن ہی کی طرح ترجمے میں بھی ظاہر کر دیا ہے، مولانا نے تفسیر میں قرآنی محذوفات کو ترجمے کا جز بنا دیا تھا لیکن اس میں ان کو امتیاز کے لیے قوسین میں لکھا گیا ہے، اس خیال سے کہ بعض جگہوں پر مجرد ترجمہ سے مطالب پوری طرح واضح نہیں ہو سکے ہیں، مختصر

حواشی بھی دے دیے ہیں جو تفسیر ہی سے ماخوذ اور مولانا کے لفظوں میں ہیں، ان میں سورتوں کے شروع میں ان کا مرکزی مضمون بھی چند لفظوں میں تحریر کردیا ہے، حواشی کا زیادہ حصہ مولانا کا ملاحظہ کیا اور پسند کیا ہوا ہے، جناب خالد مسعود ان کے خاص فیض یافتہ لایق شاگرد اور پورے مزاج شناس ہیں، انہوں نے ترجمے اور حواشی میں مولانا کے ذوق اور طرز انداز کا پورا خیال رکھا ہے اور بڑے مخلصانہ اور نیک جذبے سے ترجمے کو تفسیر سے علاحدہ کرکے شایع کیا ہے، اللہ تعالیٰ انہیں اجر جزیل عطا کرے اور ترجمے کو نافع بنائے۔

"ض"

تکبیر مسلسل: از جناب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مرتب جناب ڈاکٹر مسعود الحسن عثمانی
متوسط تقطیع، بہترین کاغذ وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۷۸۴، قیمت ۳۰۰/روپے، پتہ: مکتبہ دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش، عارف آشیانہ، چوک، لکھنؤ۔

آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے تشخص کی بقا کی مسلسل جدوجہد، ایک تاریخ ہے اور اس میں نمایاں نام یوپی کی دینی تعلیمی کونسل کا ہے، جس کے متعلق یہ مبنی برحقیقت تاثر قائم ہوا کہ اس سے زیادہ ٹھوس، مفید اور تعمیری تحریک ایک طویل عرصے سے مسلمانان ہند کی تاریخ میں وجود میں نہیں آئی، اس تحریک کا داعیہ ضلع بستی کے مخلص اور دردمند رہنما قاضی عدیل عباسی مرحوم کی فکر صائب اور دور اندیشی کا نتیجہ تھا، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد منظور نعمانی اور چند اور اکابر کے تعاون سے یہ تحریک اس درجہ مبارک ثابت ہوئی کہ یوپی کے لاکھوں مسلمان بچے اس کی وجہ سے بنیادی مذہبی تعلیم سے روشناس ہوئے، اس کی اہمیت کا اصل اندازہ آزادی کے معاً بعد مسلمانوں کی کس مپرسی کو نظر میں رکھ کر لگایا جاسکتا ہے، مولانا علی میاں روز اول سے اس تحریک سے وابستہ رہے، ۱۹۵۹ میں انہوں نے اس کے پہلے جلسے کی اور ۱۹۹۹ میں لکھنؤ میں آخر بار صدارت فرمائی، اس طویل عرصے میں انہوں نے قریب ۳۷ سالانہ جلسوں سے خطاب کیا، یہ خطبات اور خطاب دراصل جواہر پارے ہیں جن کو اس کتاب میں اس طرح یکجا کیا گیا ہے کہ یہ کونسل کی پوری تاریخ بھی بن گئی ہے، یہ خطبات محض وقتی نوعیت واہمیت کے نہیں، ان میں مسلمانوں کی پس ماندگی اور زبوں حالی کے اصل اسباب کی تشخیص اور ان کے امراض ملی کا مداوا بھی ہے، مولانا علی میاں کی تعلیمی واصلاحی جدوجہد میں ان خطبات کا آہنگ سب سے جدا اور طاقتور ہے، ان کے جلوہ صد رنگ کی ساری تجلیاں ان میں پنہاں ہیں، آج ان

کا مطالعہ پہلے سے زیادہ ضروری ہے، کتاب حسن ترتیب کا عمدہ نمونہ ہے، شروع میں کونسل کے تعلق سے مولانا منظور نعمانی اور قاضی عدیل عباسی کی چند اہم نگارشات اور بعض اکابر کے تاثرات بھی شامل ہیں، مولانا سید محمد رابع ندوی اور مولانا عبداللہ عباس ندوی کی مفید تحریروں کے علاوہ عرض مرتب خاص طور پر قابل ذکر ہے، قریب ۱۴۳ صفحات پر مشتمل یہ تحریر دینی تعلیمی کونسل کی مستند تاریخ اور خود فاضل مرتب کے سوز دروں اور جہد مسلسل کی داستان ہے، احترام اکابر کا یہ پہلو کم اہم نہیں کہ انہوں نے رواج عام کے برخلاف عرض مرتب کو سب سے موخر کیا، وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کی یہ صدائے دلنواز یقیناً مسموع ومقبول ہوگی۔

وفیات ماجدی یا نثری مرثیے: از مولانا عبدالماجد دریابادی، مرتبہ جناب حکیم عبدالقوی دریابادی مرحوم، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ وکتابت وطباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۸۷، قیمت ۲۰۰/روپے، پتہ: ادارہ انشائے ماجدی، ۷/۱۴، رابندر سرانی، کلکتہ ۔ ۷۳

مولانا عبدالماجد دریابادی کی ہر تحریر حسن انشا، جاذبیت، تاثیر اور منفرد طرز نگارش کا اعلیٰ نمونہ ہے لیکن بزرگوں، اعزہ واحباب اور مخلصوں کی وفات پر ان کی تحریریں، ممدوح شخصیت کی خوبی وامتیاز کے بیان کے علاوہ حسرت وعبرت اور مولانا کے درد وکرب کے اظہار کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہیں، سچ، صدق اور دوسرے رسائل میں ان کے طویل ومختصر تعزیتی مضامین کثرت سے ہیں، ان کا ایک انتخاب قریب بیس پچیس سال پہلے مرتب مرحوم نے شایع کیا تھا، اسی کا یہ جدید اڈیشن ادارہ انشائے ماجدی کے زیر اہتمام اسی حسن وسلیقے سے شایع ہوا ہے جو اب اس ادارہ کی شناخت ہے، مولانا مرحوم کو ہمیشہ اپنی کتابوں کی معمولی طباعت کا قلق رہا، وہ برابر ان مصنفین کی خوش قسمتی کا ذکر کرتے جن کی کتابیں حسن طباعت سے آراستہ رہتی ہیں، مولانا کی اس حسرت کو جناب حاجی منظور علی لکھنوی نے جس عقیدت واخلاص کے ساتھ پورا کیا ہے اس کی مثال یہ کتاب بھی ہے۔

مطالعہ شعر وادب: از پروفیسر محسن عثمانی ندوی، متوسط تقطیع، کاغذ، کتابت وطباعت عمدہ، صفحات ۲۰۸، قیمت ۷۰/روپے، پتہ: رابطہ ادب اسلامی پوسٹ بکس نمبر ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

ادب میں اعلیٰ انسانی قدروں کی حمایت وحفاظت کے لیے سرگرم اہل قلم میں اس کتاب کے فاضل مصنف کا نام محتاج تعارف نہیں، ان کی زبان شائستہ وشگفتہ ہے، فلسفیانہ مباحث کو بھی وہ کامیابی

سے ادب کے دائرے میں پیش کرنے کا ہنر رکھتے ہیں، رابطہ ادب اسلامی کے وہ رکن رکین ہیں اور زیر نظر خوبصورت مجموعہ زیادہ تر مضامین، رابطہ کے جلسوں اور سیمیناروں کے لیے لکھے گئے، علامہ شبلی، اقبال و آزاد، مولانا دریابادی، رشید احمد صدیقی اور مولانا علی میاں سی شخصیتوں کے علاوہ ادب اسلامی، ادبی تحریکوں کا نظریاتی پس منظر، اردو کی نعتیہ شاعری، قصہ نگاری کا فن، ادب وصحافت کا رشتہ جیسے موضوعات بھی اس میں شامل ہیں، مصری ادیب طٰہٰ حسین پر بھی ایک مضمون ہے، اس تنوع کے ساتھ اصل خوبی، مقصد سے وابستگی ہے کہ ادب محض نشاط وفکری بے سمتی کا ذریعہ نہیں بلکہ فکر ونظر کی درستگی اور سرور باطن کا سبب ہے۔

دراسات اسلامیہ کے فروغ میں ہندوؤں کی خدمات: از پروفیسر شیث محمد اسمعیل اعظمی، متوسط تقطیع، کاغذ وطباعت عمدہ، مجلد، صفحات ۳۲۸، قیمت ۲۵۰ روپے، پتہ: اعظمی کاٹیج، ۵۳۲/۲، ذاکر نگر ویسٹ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔۲۵

ہندوستان میں مذہبی رواداری اور قومی یک جہتی کے جذبے اور اس راہ میں کامیاب کوششوں کی داستان برابر سنائی جاتی ہے، یہ کتاب بھی اسی نیک سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں اسلامی علوم وفنون میں ہندو برادران وطن کی خدمات کا ذکر ہے، سیرت نگاری، ترجمہ قرآن، نعت ومرثیہ گوئی، تذکرہ نگاری، نعت نویسی جیسے علوم میں ہندوؤں کی شرکت کا یہ مرقع دلکش اور معلومات انگیز ہونے کے ساتھ موجودہ حالات میں قومی مفاد کی بڑی خدمت ہے، فاضل مصنف کی محنت و دیدہ ریزی قابل داد ہے، خصوصاً اخبارات ومطابع کے ہندو مالکان اور منشی نول کشور کے متعلق تحریریں، بہت مفید اور کارآمد ہیں خصوصاً نول کشور کی فہرست مطبوعات، محققین کے لیے بڑے کام کی چیز ہے، شروع میں مسلم ہندوستان کی سیاسی وثقافتی تاریخ کے عنوان سے ایک مفصل بحث کی گئی ہے جو قریب نصف کتاب پر مشتمل ہے اور اس میں موضوع سے تعلق رکھنے والی بعض اہم کتابوں کا تعارف اور ان پر تبصرہ وتجزیہ بھی آگیا ہے۔

فیض نامہ: از جناب ڈاکٹر ایوب مرزا، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد، صفحات ۶۲۶، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ۔۴

متاخرین اردو شعراء میں جو شہرت ومقبولیت فیض احمد فیض کو حاصل ہوئی وہ اور معاصر شعراء

کے لیے قابل رشک تھی، ان کی شاعری اصلاً لوح وقلم کی پرورش تھی، لیکن اس راہ میں ان کی زندگی مختلف مرحلوں سے گزری، فوج کی ملازمت، صحافت، سیاست اور ثقافت سے بھی ان کا سرگرم واسطہ رہا، اس کی تفصیل بجائے خود ایک دلچسپ اور کسی حد تک فیض بخش داستان ہے، زیر نظر کتاب میں یہی فریضہ ان کے محب رفیق وجلیس نے ادا کیا ہے، اس سے پہلے انہوں نے "ہم کہ ٹھہرے اجنبی" کے نام سے فیض کی کچھ یادوں کو مرتب کیا تھا، اس کی مقبولیت اس نقش ثانی کا سبب بنی جس میں فیض کے خاندان، بچپن، تعلیم وتربیت، عائلی وادبی زندگی سے انتقال تک کے واقعات ومشاہدات کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ باضابطہ سوانح عمری نہ ہونے کے باوجود اس میں حیات فیض کا قریباً ہر گوشہ روشن ہے، فیض کے سیاسی، معاشی اور ادبی افکار ونظریات پوشیدہ نہیں، جن کی وجہ سے ان کی شخصیت اور شاعری معرض بحث رہی، ترقی پسند اور جدید ہونے کے باوجود ان کی شاعری کو وقار اور حسن قبول ملا، اس میں ان کی روایت پسندی بلکہ روایات کے تتبع کا خاص دخل ہے، ان کو احساس تھا کہ تجربات کی کامیابی میں روایت کے پنہاں جوہر کی بازیافت ضروری ہے، اسی طرح بعض معاصر سیاسی ومعاشی فلسفوں کے طرف دار ہونے کے ساتھ وہ اپنے مذہب کے اصول ومسلمات اور روایات کے منکر نہیں تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ حضور اکرم ﷺ سے بڑا انقلابی کوئی اور نہ ہوا اور قول وفعل کی میزان پر کامل شخصیت صرف آپ ﷺ کی ذات گرامی تھی اور یہ کہ انسانی تاریخ میں سب سے بڑا انقلاب اسلام نے پیدا کیا، فیض کی شخصیت کا یہ پہلو خاص طور پر معلومات وفکر انگیز ہے، وہ عربی زبان میں دسترس رکھتے تھے اور اس کا حصول انہوں نے قرآن مجید کو براہ راست سمجھنے کے لیے کیا تھا، وہ مولانا سید سلیمان ندوی سے بھی خاصے متاثر تھے، ایک نظم پر انہوں نے سید صاحب سے داد بھی پائی تھی، لفظ مقتل گاہوں کے استعمال پر میرا جی نے اعتراض کیا تھا تو سید صاحب نے فرمایا تھا کہ مقتل گاہوں میں کیا خرابی ہے، اسلام، قرآن مجید، عربی زبان وادب کے متعلق فاضل مصنف کی روایتیں ثقہ بھی ہیں اور دلچسپ بھی بلکہ فیض کی زندگی کے اور پہلوؤں کے متعلق بھی یہی کہا جاسکتا ہے، کتاب کی ایک اور خوبی اس کا دلکش اسلوب ہے، جس نے ضخامت کو بار نہیں محسوس ہونے دیا، خدابخش لائبریری نے اس کتاب کو شائع کرکے فیض کے شیدائیوں کو واقعتاً عمدہ تحفہ دیا ہے۔

تنویر سخن: از جناب رحمت الٰہی برق اعظمی مرحوم، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ

طباعت، مجلد مع خوبصورت گرد پوش، صفحات ۳۶۰، قیمت ۲۰۰/روپے، پتہ: ڈاکٹر احمد علی برقی، ۵۹۸/۹، ذاکر نگر، نئی دہلی۔ ۲۵، اور مکتبہ جامعہ لمیٹڈ و غالب اکیڈمی، نئی دہلی۔

سرزمین شبلی و اقبال سہیل کی مردم خیزی کی ایک مثال جناب برق اعظمی بھی ہیں، ۱۹۸۳ء میں ان کا انتقال ہوا تو ان کی گوشہ نشین اور نام و نمود سے نفور طبیعت کی وجہ سے اکثروں کو یہ احساس نہ ہوا کہ فن شعر و عروض اور شاعری کے رموز و آداب کا کیسا نباض اور برجستہ گو اور قادر الکلام، صاحب کمال رخصت ہوگیا، ان کی زود گوئی ناقابل یقین معلوم ہوتی ہے، لیکن اہل نظر کی یہ داد شہادت ہے کہ شاعری ان کی گھٹی میں پڑی تھی، وہ جب چاہتے اور جس صنف میں چاہتے اشعار کا انبار لگا دیتے، ایسا قادر الکلام استاد سخن شاعر کا یہ پہلا مطبوعہ دیوان ہے جو ان کے سعادت مند صاحبزادوں احمد علی برقی، و برکت علی صدیقی کی محنت اور والد مرحوم کی روح کو مسرور کرنے کی نیت کا نتیجہ ہے، حمد و نعت، مناجات و منقبت، غزل، رباعی، قطعہ و مکالمہ، قصیدے، خمسے، قطعات تاریخ اور نظموں کے اس منتخب مجموعہ کی داد کے لیے یہی کافی ہے کہ ملک کی تین اہم اکادمیوں، شبلی، غالب اور اردو اکیڈمی دہلی کے فاضل ذمہ داروں کی تحسین اس کتاب میں شامل ہے، پروفیسر امیر حسن عابدی کی تحریر بھی ہے، اصل خوبی کا اندازہ تو کتاب کے براہ راست مطالعہ سے کیا جا سکتا ہے، لیکن صنعت واسع الشفتین، صنعت مہملہ، صنعت فوق النقاط، صنعت تحت النقاط، قطعہ غیر منقوط میں جس قدرت سخن کا مظاہرہ ہے وہ خود برق کی غیر معمولی تنوع کا مظہر ہے۔

چند اہم دینی مباحث (علم و تحقیق کی روشنی میں): از جناب مولانا محمد برہان الدین سنبھلی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، صفحات ۲۵۵، قیمت: درج نہیں، پتہ: ۱۶۱۷۔ کھجورے کا راستہ بالمقابل ہدایت مسجد نزد اندرا بازار، جے پور، راجستھان اور مکتبہ ندویہ، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ یوپی۔

اس کتاب کے فاضل مولف کا شمار ان علماء میں ہے جن کی نظر امت کو درپیش عصری مسائل و مشکلات پر خاص طور سے ہے، رویت ہلال، یکساں سول کوڈ، بینک انشورنس، جہیز اور بعض جدید معاشرتی و طبی مسائل پر ان کی کئی مفید کتابیں شایع ہو چکی ہیں، زیر نظر مجموعہ مقالات بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں مسائل کے علاوہ قرآنیات، تقلید، تعلیم اور مدارس کے تعلق سے

بھی عمدہ تحریریں آگئی ہیں، ایک مضمون اس سوال کے جواب میں ہے کہ کیا اہل کتاب کے لئے اسلامی شریعت کی پیروی ضروری نہیں، مضامین کے اس تنوع سے کتاب کی افادیت میں اضافہ ہوا ہے، زکوۃ کے سلسلے میں یہ رائے ظاہر کی گئی ہے کہ ''ایسے رفاہی کاموں میں خرچ کرنے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی جن سے کسی مستحق زکوۃ شخص کو مالک نہ بنا دیا جائے اور ایسی تنظیموں کی طرف سے زکوۃ وصول کرنے والوں کی حیثیت 'والعاملین علیہا' کی نہ ہوگی'' مدارس دینیہ میں دستکاری، انجینیری اور ڈاکٹری جیسے علوم و فنون کی شمولیت کے متعلق مولانا کا خیال ہے کہ اس سے ان مدارس کی اصل غرض کے متاثر بلکہ فوت ہو جانے کا خطرہ ہے، اس کا بہتر حل یہ ہے کہ مسلمانوں کے ایسے مستقل ادارے ہوں جن میں ہر قسم کی تعلیم کے ساتھ دینی تربیت کا نظم ہو، بعض مقالات میں تکرار مضامین بھی ہے، توقع ہے کہ مولانا کی دوسری کتابوں کی طرح یہ بھی مقبول ہوگی۔

خود نوشت سوانح عمری و سفرنامہ: از جناب حاجی سید جلال الدین حیدر، متوسط تقطیع، کاغذ و طباعت معمولی، صفحات ۲۷۰، قیمت: ۹۰/روپے، پتہ: توحید پرکاشن کیندر، امام باڑہ جناب غفران مآب مولانا کلب حسین مارگ، لکھنؤ۔ یوپی۔

انیسویں صدی کے اواخر میں ہندوستان کے دامن کو قدرت نے جیسے خاص طور پر باکمال شخصیتوں سے مالا مال کر رکھا تھا، ان میں ایک زیر نظر کتاب کے سوانح نگار بھی ہیں، دیار شرق میں اعظم گڑھ کی ایک کوردہ بستی کے خاندان سادات زیدی میں پیدا ہوئے، سرسید کے علی گڑھ سے اکتساب علم کیا اور سرزمین عراق و حجاز اور قم و شیراز تک کاروبار حیات کا دائرہ وسیع کیا، شہرت جیسی ملنا تھی نہ ملی لیکن ہر دم رواں دواں کارناموں خصوصاً انجمن وظیفہ سادات مومنین کے قیام سے نیک نامی ضرور حاصل کی، یہ کہنا سچ ہے کہ متضاد عناصر میں سموئی ہوئی ان کی زندگی خود ایک حیرت انگیز باب حکمت ہے، زندگی کے نشیب و فراز اور تلخ و شیریں تجربات کا جیسا سامنا کیا، وہ بھی غیر معمولی ہے اور ان کو جس سچائی اور سادگی سے بیان کیا گیا اس سے عقیدت اور محبت کے رشتے خود بخود استوار ہونے لگتے ہیں، اس قدر سادہ، موثر، سبق آموز داستان زندگی کم دیکھنے میں آتی ہے لیکن اس سے بڑھ کر کتاب کا وہ حصہ ہے جس میں انہوں نے حج بیت اللہ اور بیت المقدس، نجف اشرف، کربلا معلی، قم و شیراز و مشہد اور کشمیر کی

رودادرقم کی ہے، گزشتہ صدی کے نصف اول کے عرب وعراق وایران اور ہندوستان کے ایران صغیر کشمیر کی مذہبی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی حالات کا یہ مرقع پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، اس دور کا بحری سفر اور حج کی پریشانیاں آج ناقابل یقین کہانیاں لگتی ہیں، خانہ کعبہ میں ایک زائر کی یہ دعا کہ پروردگار اب پھر اپنے گھر نہ بلانا، ایک نقطہ عروج ہے لیکن اس سے اس دور کے ہندوستانی مسلمانوں کی عزیمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، شقدف کی سواری اور بدووں کی غارت گری کا ذکر حیرت انگیز ہے، خاجی صاحب کا مسلک شیعی ہے اور جا بجا اس کا اظہار بھی ہے لیکن حرم شریف میں حنفی امام کی خوش آواز قرأت سے متاثر ہو کر وہ اسی کی اقتدا اس طرح کرتے ہیں کہ جس قدر قریب جگہ ملتی ہے جماعت میں شریک ہوتے ہیں، کربلائے معلّٰی کے ذکر میں سنی ترکی حکومت کے متعلق لکھتے ہیں کہ رعایا اس حکومت سے مطمئن معلوم ہوتی ہے، ہم مسلک ہونے کے باوجود ایرانیوں سے وہ متاثر نہیں کہ وہ مبالغہ کے عادی ہیں، جھوٹ میں تکلف نہیں اور وعدوں کی بھی پروا نہیں، شیراز میں شراب کا دور ہے تو بوشہر میں تریاک کا، کشمیر میں ان کو یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ چار سو طلبہ میں مسلمان فقط بتیس تھے حالانکہ شہر میں مسلمانوں کی آبادی نوے فیصد ہے، غرض یہ سفرنامہ اس دور کی تاریخ کا ایک عمدہ

اس پر مستزاد وشائستہ زبان واسلوب، فاضل تحشیہ نگار جناب سبط محمد نقوی قابل تعریف ہیں کہ انہوں نے اس طبع نو سے کتاب کو نئی زندگی بخشی، افسوس یہ ہے کہ طباعت وکتابت شایان شان نہیں اس کا احساس خود ناشر کو بھی ہے۔

: از جناب حکیم حافظ شفیع ہدایت قریشی، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ وطباعت، مجلد مع گردپوش صفحات ۹۸، قیمت: ۱۰۰ روپے، پتہ: ڈاکٹر شفیع ہدایت قریشی، تلیا محلہ، دتیا-ایم، پی۔

حمد و نعت ومناجات اور پاکیزہ جذبات کا یہ شعری مجموعہ اردو کے اسلامی واصلاحی سرمایہ ادب میں عمدہ اضافہ ہے، شاعر کم سخن ہیں اور گوشہ نشین بھی لیکن کلام کی پختگی اور مشق فن کی صلاحیت ہر مصرعہ سے عیاں ہے، خصوصاً حج بیت اللہ کی پرکیف یاد میں بڑی تاثیر ہے۔

کمال بخشش ولطف وعطا کو یاد کیا جھکا کے سجدے میں سر کو خدا کو یاد کیا
اٹھا کے سر کو جو دیکھا تو گنبد خضرا تڑپ کے دل نے وہیں مصطفیٰ کو یاد کیا